اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

جلد اوّل

تالیف
پروفیسر خواجہ محمّد لطیف انصاری

رضاکار بک ڈپو - لاہور

حفظ کُن تاریخ را پائندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو
اقبالؔ

اِسلام اور مُسلمانوں کی تاریخ

جلد اوّل

شیعہ نُقطۂ نظر سے

سنہ ۱۳۷۶ھ، سنہ ۱۹۵۷ء

تالیف

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری

ناشر

رضاکار بُک ڈپو۔ لاہور

بار .... اوّل

تعداد .... ایک ہزار

مطبع .... تعلیمی پریس لاہور

طابع .... شیخ محمد صدیق بی۔اے

کتابت .... ابوایاز محمد اصغر قریشی

ناشر .... رضا کار بک ڈپو لاہور

قیمت .... عہ

۱۲- ایچ رضویہ کالونی -
کراچی ع۱۸ -
۳۰ رجب المرجب ۱۳۷۹ھ
۲۹ جنوری ۱۹۶۰ء

عرضِ ناشر

یوں تو اردو زبان میں بھی "اسلام اور مسلمانوں" کی تواریخ کی کوئی کمی نہیں۔ لیکن اسے اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ طلبہ کی ذہنی استعداد اور شیعی نقطۂ نظر کے مطابق تا حال ایک تاریخ بھی مرتب نہیں ہو سکی۔

مدتوں سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور جب سے کہ فوقانی مدارس میں "تاریخ اسلام" کو لازمی مضمون قرار دیا گیا ہے اس وقت سے تو شدتِ احتیاج کی کوئی حد نہ رہی۔

چنانچہ ضرورت و اہمیت کو دیکھتے ہوئے ہماری گزارش پر فاضل محترم جناب پروفیسر خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری نے ہمت فرمائی اور بحمدہ تعالیٰ تھوڑے ہی عرصہ میں اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔

یہ مجموعہ اسلام اور مسلمانوں کی زریں تاریخ کا پہلا حصہ ہے جو ملک عرب، دورِ جاہلیت اور عہدِ رسالتؐ کے تمام و کمال حالات پر مشتمل ہے۔ نیز بلا مبالغہ اپنی نوعیت کی پہلی تالیف ہے، جسے "رضا کار" بک ڈپو پیش کرنے کی

سعادت حاصل کر رہا ہے۔

محترم مؤلف نے سالہا سال کے تعلیمی تجربوں کی بنا پر ان اوراق کو نہ صرف ایک مفید ترین درسی تاریخ کی حیثیت دی ہے بلکہ اپنے وسیع مطالعہ سے صحیح حقائق کے قابلِ فخر ذخیرے میں لائقِ ستائش اضافہ بھی فرمایا ہے۔

یقین ہے کہ یہ پیش کش شیعہ طلبہ و طالبات کے لئے نفع رساں ثابت ہوگی اسی طرح تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے عام حلقوں کو بھی فائدہ پہنچائے گی۔

ناشر

اک ابرِ کرم فضا فضا میں برسا
کعبہ سے چلا تو چھا گیا طیبہ پر

پھر گھر کی گھنگھور گھٹا میں برسا
طیبہ سے اٹھا تو کربلا میں برسا

(ساغر نظامی)

تاریخِ اسلام

دورِ رسالت

سنہ ۱ عام الفیل سے سنہ ۱۱ھ تک

حفظ کن تاریخ را پایندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو

تاریخ کی اہمیت

۱۔ تاریخ حق و باطل کے قوانین کی صدیوں تک گونجنے والی آواز ہے۔

۲۔ تاریخ انسانی زندگی کے تجربات کی کان ہے، دورِ حاضر کے نوجوان کو گذشتہ نسلوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے لئے تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے

۳۔ تاریخ شانِ الٰہی کی مظہر اور وجودِ خالق کی یقین دلیل ہے۔

۴۔ تاریخ وہ مرکزی مضمون ہے جس کے اردگرد نصابِ تعلیم کے قصر کو تعمیر کرنا چاہیئے

۵۔ تاریخ وہ عظیم الشان محرک ہے جو خفتہ قوم کو بیدار اور مردہ ملت کو زندہ کرتا ہے

۶۔ تاریخ انسانی فطرت میں دلچسپی کی خالق ہے۔

۷۔ تاریخ ملت کے نوجوانوں میں جوشِ عمل پیدا کرتی ہے۔ ان کے تصورات کو روشن کرتی ہے۔ اور انہیں انکے ماضی سے متعارف کراتی ہے۔ اور ان کے مستقبل کو شاندار بنانے میں مدد دیتی ہے۔

۸۔ تاریخ نظریات و اعتقادات، خواہشات و افکار، احساسات کمتری و برتری مسائلِ معیشت و اقتصادیات کے تصادم کو کہتے ہیں۔

۹۔ تاریخ اُن خوشگوار یا ناگوار نتائج کا تذکرہ ہے جو متضاد طاقتوں کے ٹکرانے سے ظہور میں آتے ہیں۔

۱۰۔ تاریخ ایسے واقعات کو کہتے ہیں جن کے گہرے نقوش محض ایک خاص دور کے افکار و افعال پر پڑ کر مٹ نہ گئے ہوں، بلکہ اُن کے اثرات نسلِ انسانی پر مرتب ہوتے رہیں۔

۱۱۔ تاریخ مذہبی اوامر و نواہی کو جو بظاہر انسانی طبائع کے لئے ناگوار ہیں خوشگوار اور دلچسپ بنا کر قابلِ عمل بناتی ہے۔

۱۲۔ تاریخ فلسفۂ اخلاق جیسے خشک مضمون کو قصّوں اور کہانیوں کی چاشنی سے دلچسپ پُرلطف اور رنگین بناتی ہے۔

۱۳۔ تاریخ حق و باطل میں تمیز پیدا کرتی ہے۔ حق کے ثمرات اور باطل کے قبیح نتائج کا عرفان پیدا کرتی ہے۔

۱۴۔ تاریخ عزم و استقلال کی عظمت کا انسانی طبیعت پر سکہ بٹھا کر انسان کو کشمکشِ حیات میں کامیابی کے لئے آمادہ کرتی ہے۔

تاریخ کی یہی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اسے الہام کا جزو قرار دیا گیا۔ الہامی کتابیں اکثر تاریخی واقعات سے مالا مال ہیں۔ خود قرآنِ حکیم کا ایک تہائی حصّہ تاریخِ سلف کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ اس سراپا اعجاز کتاب میں انتہائے ایجاز کے ساتھ واقعات تاریخ و سیرت کو بیان کیا گیا ہے۔ ان واقعات کے نتائج کو صالح اخلاق، صالح معاشرت اور صالح تمدن کی تخلیق کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں انتہائی نیک انسانوں کے واقعات ہیں تاکہ اُن سے نیکی کی ترغیب ہو اور نہایت بُرے انسانوں کے واقعات بھی ہیں تاکہ بُرائی سے نفرت ہو اور ہم اس سے بچ

سکیں۔ ہمیں تاریخ نویسی میں قرآن کی اس روش کو ہی اختیار کرنا چاہیے۔

محمد لطیف انصاری

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	**پہلا باب** (جغرافیائی حالت) عرب کا حدودِ اربعہ۔ رقبہ۔ آبادی۔ مختلف حصے۔ وادیاں آب وہوا۔ پیداوار۔ خوراک اور باشندے ۔	۱۳-۲۴
۲	**دُوسرا باب** (سرکارِ رسالت سے پہلے کے حالات) دُنیا کی حالت۔ عرب کی مذہبی۔ سیاسی، اخلاقی، معاشرتی تمدنی اور تعلیمی حالت ۔	۲۵-۳۴
۳	**تیسرا باب** (اُمّتِ مُسلمہ) خاندانِ رسالت۔ حضرت فہر۔ حضرت قصیٰ۔ خاندانِ قصیٰ۔ حضرت عبدمناف۔ حضرت ہاشم۔ بنی ہاشم و بنی امیّہ کا عناد۔ حضرت عبدالمطلب۔ حضرت ابوطالب۔ شجرۂ نسب خاندانِ رسالت۔	۳۵-۴۱
۴	**چوتھا باب** (ولادت سرکارِ رسالت اور چالیس سالہ زندگی) حضرت عبداللہ کی وفات۔ ولادت باسعادت۔ والدہ کا انتقال دادا کی وفات حضرت ابوطالب کی کفالت۔ بچپن۔ گلّہ بانی۔ کاروباری زندگی۔ معاہدۂ حلف الفضول حضرت خدیجہؓ سے نکاح	۴۲-۵۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	ولادتِ علیؑ۔ کعبہ کی تعمیر جدید ٭	
۵۲-۵۹	**پانچواں باب** (بعثت و دعوتِ اسلام) سبقتِ اسلام۔ دعوتِ ذوالعشیرہ۔ مخالفتِ قریش۔ حمایتِ ابُو طالب۔ کفار کی پیشکش اور اُن کے مظالم ٭	۵
۶۰-۶۷	**چھٹا باب** (ہجرتِ حبشہ۔ سوشل بائیکاٹ وغیرہ) پہلی ہجرتِ حبشہ۔ دوسری ہجرت حبشہ۔ حضرت عُمرؓ کا اسلام۔ سوشل بائیکاٹ اور نظربندی۔ غم کا سال۔ حضرت ابو طالب کی وفات کا اثر۔ سفرِ طائف ٭	۶
۶۸-۸۴	**ساتواں باب** (ہجرتِ مدینہ) تبلیغ۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ و عقبۂ ثانیہ۔ دارالندوہ۔ ہجرت۔ علی مرتضیٰؑ کا بستر پر سونا۔ غارِ ثور۔ کفار و علیؑ۔ مدینہ میں ورودِ مسعود۔ تعمیر مسجدِ نبویؐ۔ عقدِ مواخاۃ۔ مہاجرین و انصار۔ دستور و آئینِ مدینہ ٭	۷
۸۵-۱۰۸	**آٹھواں باب** (غزوات اور اُن کے اسباب) غزوۂ بدر اور اس کے نتائج۔ حضرت فاطمہؑ کا عقد۔ غزوۂ احد۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت۔ مفرورینِ احد۔ جنابِ امیرؑ کا ثبات۔ رسول اللہؐ کے مصائب۔ حضرت حمزہؓ کی عزاداری کیلئے اہتمام۔ رسول اللہؐ قبورِ شہداء پر۔ ولادتِ امام حسنؑ و حسینؑ۔ رحلت جناب فاطمہ بنتِ اسدؑ ٭	۸
۱۰۹-۱۱۹	**نواں باب** (غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق)	۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	جنگ کے اسباب۔ مسلمانوں کی تیاری۔ عمرو بن عبدود کی مبارزطلبی حضرت علیؑ میدان میں۔ فتحِ خندق اور اُس کے نتائج ۔	
۱۰	**دسواں باب** (صلح حدیبیہ) بیعتِ رضوان۔ شرائطِ صُلح۔ حضرت عمرؓ کا مکالمہ۔ صُلح حدیبیہ کے نتائج۔ عمرۃ القضا ۔	۱۲۰-۱۳۳
۱۱	**گیارھواں باب** (حکمرانوں کو دعوتِ اسلام) کسریٰ ایران۔ قیصر روم۔ شہنشاہِ حبش۔ حکمرانِ بحرین۔ عمان۔ مصر۔ یمامہ۔ شام و بُصریٰ ۔	۱۳۴-۱۴۱
۱۲	**بارھواں باب** (مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات) علیؑ فاتحِ خیبر و معمارِ سلطنتِ اسلامیہ۔ حجاز میں یہودیوں کی پوزیشن اور اُن کی ریشہ دوانیاں۔ جنگِ خیبر۔ فتحِ خیبر اور اُس کے نتائج مہاجرینِ حبشہ کی واپسی۔ فدک ۔	۱۴۲-۱۶۲
۱۳	**تیرھواں باب** (رسولؐ کا مکّہ میں داخلہ) طلقاء بنی امیہ کا اسلام۔ مکّہ پر فوج کشی۔ قریش کی شکست۔ فتحِ مکّہ کے نتائج۔ رحمۃ للعالمینؐ کی شانِ عفو و رحمت ۔	۱۶۳-۱۷۳
۱۴	**چودھواں باب** (جنگِ حنین اور اسکے اسباب) طائف کا محاصرہ۔ بنی امیہ کی اندرونی کیفیت۔ فاتحِ حنین علیؑ۔ مالِ غنیمت کی تقسیم ۔	۱۷۴-۱۸۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۸۲-۱۹۲	**پندرھواں باب** (رومیوں سے مقابلہ) جنگ موتہ ۔ غزوۂ تبوک ۔ علیؑ خلیفۂ رسولؐ ۔ غزوۂ تبوک کے نتائج واثرات ۔ قرطاسِ نصاریٰ ۔	۱۵
۱۹۳-۱۹۶	**سولھواں باب** تبلیغ سورۂ برأۃ ۔ واقعہ مباہلہ ۔	۱۶
۱۹۷-۲۱۰	**سترھواں باب** (حجۃ الوداع اور واقعۂ غدیر خم) کارِ رسالت کی تکمیل ۔ آخری خطبہ ۔ ذریعہ ہدایت قرآن و اہلبیتؑ ۔ علی مرتضیٰؑ کی ولیعہدی کا اعلان ۔ تہنیت ۔ حارث بن نعمان فہری کا واقعہ	۱۷
۲۱۱-۲۲۲	**اٹھارھواں باب** (علالتِ سرکارِ رسالتؐ اور جیش اسامہ کی تیاری) واقعہ قرطاس ۔ امامتِ حضرتِ ابوبکر ۔ وفات تجہیز و تکفین ۔	۱۸
۲۲۳-۲۵۶	**انیسواں باب** (اخلاق واوصاف محمدیہؐ) قرآن ترجمانِ اخلاق ۔ فاطمہ بضعۃ منی ۔ حلیہ مبارک ۔ رفتار و گفتار ۔ خوراک ۔ لباس ۔ آداب واطوار وغیرہ ۔ خوفِ خدا ۔ محبتِ الٰہی ۔ توکل علی اللہ ۔ صبر و شکر ۔ حسنِ معاملہ ۔ مساوات ۔ شجاعت ۔ راست گفتاری ۔ مشرکین و منافقین کیساتھ سلوک ۔	۱۹
۲۵۷-۲۶۷	**بیسواں باب** (سیاسیاتِ سرکارِ رسالتؐ) حکومت اور اسلام ۔ انسانی زندگی کا مکمل پروگرام ۔ سرکارِ رسالتؐ کا نظریۂ حکومت ۔ انتظام ملکی وغیرہ ۔	۲۰

دولتِ اسلامیہ
(دورِ رسالت میں)
پیمانہ
میل ۵۰۰ ۴۰۰ ۳۰۰ ۲۰۰ ۱۰۰
شاہراہِ تجارت
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
بحیرۂ روم
شام
جزیرہ
عراق
خراسان
ایران
سجستان
خوزستان
فارس
کرمان
مکران
عمان
عرب
ربع الخالی
حضرموت
بحیرۂ عرب
فدک
خیبر
تبوک
بحرین

پہلا باب

عرب کی اہمیت اور جغرافیائی حالت

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جس نے "عرب" کا نام نہ سنا ہو۔ وہ مشہور خطہ جس میں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مبعوث ہوئے اور حضورؐ کے بعد اہل بیت اطہارؑ کے بارہ معصوم امام کائنات کی ہدایت کا ذریعہ بنے "عرب" کہلاتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے مطالعہ سے پہلے اس سرزمین کے جغرافیائی حالات کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جغرافیہ کا تاریخ پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے

حدود اربعہ عرب کے شمال میں صحرائے شام ہے، مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان ہیں، جنوب میں بحیرۂ عرب اور مغرب میں بحیرۂ قلزم یا بحیرۂ احمر (RED SEA) واقع ہیں۔ اس کے تین طرف سمندر ہے اور جانب شمال خشکی یعنی شام کا ملک ہے۔ ایشیا کے جنوب مغرب میں عرب کا صحرائی ملک براعظم ایشیا کا ایک جزیرہ نما ہے جو دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما اور وسعت میں فرانس سے دُگنا ہے۔ عرب کے باشندے اسے "جزیرۃ العرب" کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ جزیرہ نہیں بلکہ جزیرہ نما ہے۔ مگر عملی طور پر یہ جزیرہ ہی ہے چونکہ اس کے شمال میں نفود کا نہایت گرم صحرا ہے۔

رقبہ اور آبادی عرب کا مجموعی رقبہ دس لاکھ مربع میل ہے۔ اس صحرائی ملک کا عرض سات سو سے بارہ سو میل تک ہے۔ اور پوری آبادی ساٹھ ستر لاکھ کے قریب ہے۔ جس میں سے دس لاکھ افراد حجاز میں بستے ہیں۔

مختلف حصے یہ زمین کا وسیع قطعہ مختلف حصوں یا صوبوں میں تقسیم ہوا ہے یہ مختلف حصے زمین کی حیثیت، آب و ہوا اور اپنے باشندوں کی شکل و صورت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

حجاز۔ ملک عرب کا یہ شمالی پہاڑی حصہ ہے جو سرحدِ شام تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو آباد کیا اور اللہ نے حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کیا کہ "انکے اس سعید بیٹے کی اولاد میں سے اپنے آخری نبیؐ کو مبعوث فرمائے گا اور ان ہی کی اولاد سے بارہ روحانی سردار یعنی بارہ امامؑ ہوں گے اور انہیں بڑی قوم بنائے گا۔" جیسا کہ آج تک یہ پیشینگوئی توریت میں موجود ہے۔ توریت میں حجاز کا نام فاران ہے اس صوبہ کے مشہور شہر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بندرگاہ جدہ ہیں۔

مکہ معظمہ۔ اسی شہر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اسی شہر میں خانہ کعبہ یعنی اللہ کا گھر ہے جس کی طرف رُخ کر کے دُنیا بھر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اسی خانۂ خدا میں حضرت علی مرتضیٰؑ کی ولادت ہوئی۔ اسی شہر میں محسنِ اسلام حضرت ابوطالبؑ کا مزار ہے جن کے عزت و وقار کے سایہ میں اسلام نے اپنی ابتدائی منزلیں طے کیں اور محسنۂ اسلام خدیجہ طاہرہؑ کی قبر مطہر بھی اسی شہر میں ہے۔ جن کی دولت اسلام کی مالی ضروریات کو پورا کرنے

میں صرف ہوئی۔

مدینہ طیبہ یا مدینہ منورہ۔ اس مبارک شہر کا قدیمی نام یثرب تھا جب رسول خداؐ ہجرت فرما کر اس شہر میں سکونت پذیر ہوئے تو اسے مدینۃ الرسولؐ یا مدینۃ النبی کہنے لگے۔ پھر کثرت استعمال سے مدینہ مشہور ہو گیا۔ اور اس کی عزت و احترام کی وجہ سے اسے مدینہ منورہ یا مدینہ طیبہ یا مدینہ مبارکہ کہتے ہیں۔ یہ شہر مکۂ معظمہ سے دو سو ستر میل شمال کی جانب آباد ہے۔ اس کی آب و ہوا مکۂ معظمہ سے بہتر ہے۔ یہ شہر اس قدر گرم خشک نہیں جس قدر مکۂ معظمہ ہے۔ اسی جگہ مسجد نبوی اور سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ص کا روضۂ پاک ہے۔ اور اسی جگہ حضرت علیؑ کی والدہ سرکار شفقت حضرت فاطمہؑ بنت اسد، سرکار عصمت سیدۂ عالم حضرت فاطمہ زہراؑ، سرکار صلح حضرت امام حسنؑ، سرکار صبر حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسینؑ، سرکار علم و عرفان امام محمد باقرؑ اور سرکار صدق و صفا امام جعفر صادق علیہم السلام کے مزارات مقدسہ ہیں۔ نیز بہت سے صحابہ اخیار اور پیغمبر اکرمؐ کی چند بیویاں بھی مدفون ہیں۔ جس قبرستان میں یہ مزارات مقدسہ ہیں اسے "جنت البقیع" کہتے ہیں۔ سرکار رسالت کے والد ماجد حضرت عبداللہؑ کا پاک مدفن بھی مدینہ طیبہ میں ہے۔ جنت البقیع کی جلیل الشان عمارتوں کو جو اسلامی فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھیں سابق شاہ نجد و حجاز عبدالعزیز ابن سعود نے مسمار کرا دیا تھا۔ اب صرف قبروں کے نشان باقی ہیں۔

جدّہ۔ حجاز کی بندرگاہ ہے۔ جہاں دوسرے ملکوں سے آنے والے جہاز ج ساحل

عرب پر اُترتے ہیں۔ یہ بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔

ان بڑے شہروں کے علاوہ حجاز میں چھوٹے چھوٹے قصبے اور بستیاں بھی ہیں۔
بدر، اُحد، حدیبیہ، فدک، غدیرِ خم، خیبر اور طائف وغیرہ جن کا ہماری اس تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔

طائف۔ مکّہ کے قریب واقع ہے۔ یہ دامنِ کوہ میں ایک سرسبز و شاداب جگہ ہے۔ یہاں پانی کے چشمے بہتے ہیں اور پھلوں کی کثرت ہے۔ اسے چمن زارِ حجاز (GARDEN OF HIJAZ) کہا جاتا ہیں۔ طائف میں علاوہ اور پھلوں کے انگور کثرت سے ہوتا ہے۔ طائف حجاز کا صحت افزا مقام (SANITORIUM) ہے۔ حجاز کے امیر لوگ موسمِ گرما یہیں گزارتے ہیں۔

بدر۔ تاریخی مقام ہے جہاں مسلمانوں کو کفارِ قریش سے سب سے پہلی لڑائی لڑنا پڑی۔

اُحد۔ بھی تاریخی اہمیت کا مقام ہے۔ یہاں بھی کفارِ قریش سے جنگ ہوئی تھی۔

حدیبیہ۔ اس عظیم الشان صلح کی یادگار ہے جہاں پیغمبرِ امن نے کفارِ مکّہ سے صلح کی تھی۔

فدک۔ وہ زرخیز علاقہ ہے جو فتح خیبر کے دبدبہ کی وجہ سے لڑے بغیر ہاتھ آیا تھا اور رسول اللہ ؐ کا خالصہ یعنی خالص ملکیت تھا۔ جسے رسول اللہ ؐ نے اپنی بیٹی معصومہؑ کونین فاطمۃ الزہراؑ کو دے دیا تھا تاکہ جو مال حضرت خدیجہؓ اور

اور حضرت ابوطالبؑ نے اسلام کے لئے صرف کیا تھا اس کا کچھ معاوضہ ہو جائے۔

غدیر خم۔ وہ مقام ہے جہاں ہو لائے دو جہاں رسول اللہؐ نے ولایت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا اعلان کرکے انہیں اپنا جانشین اور اپنے بعد کے لئے مولا قرار دیا تھا۔

خیبر۔ وہ عظیم الشان تاریخی مقام ہے جہاں رسول اللہؐ سے یہودیوں کی پہلی اور آخری لڑائی ہوئی۔ ابتدا میں مسلمانوں کے خیبر پر لگاتار حملے ہوتے رہے لیکن فتح نہ ہوا اس وقت جب مسلمانوں پر انتہائی مایوسی طاری تھی حیدر کرار علی مرتضیٰؑ نے خیبر کو فتح کیا۔ اس لئے آپ فاتح خیبر کہلاتے ہیں۔ یہ لڑائی اسلامی سلطنت کا سنگِ بنیاد تھا اور اسی لڑائی کے دبدبہ سے یہودی نو آبادیاں، فدک، تیما اور وادی القریٰ جو نہایت زرخیز تھیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اور ان کی مالی حالت درست ہوئی۔ حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصے یہ ہیں:۔

تہامہ۔ بحیرۂ قلزم اور پہاڑوں کے درمیان ایک تیس میل چوڑا میدان ہے جسے تہامہ کہتے ہیں۔

النفود۔ عرب کا شمالی ریگستان ہے جہاں بادِ سموم کے طوفان آتے ہیں۔ یہاں موسم سرما میں کچھ بارش ہو جاتی ہے اور اس بارش سے کچھ جھاڑیاں اگتی ہیں جو بدو عربوں کے مویشیوں کی خوراک ہوتی ہیں۔

حرہ۔ لاوے کی سرزمین ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں آتش فشاں پہاڑ تھے۔ یہ منجمد لاوہ کی پتھریلی ناہموار زمین ہے۔ یہاں سے چوپایوں اور انسانوں کے لئے گزرنا مشکل ہے۔ احسار اور بحرین عرب کے بنجر علاقے ہیں۔

صحرائے الدھنا۔ عرب کا بنجر علاقہ ہے جو نجد سے حضرموت تک پھیلا ہوا ہے

یمن۔ آب و ہوا کے لحاظ سے عرب کا بہترین علاقہ ہے۔ یہاں باقاعدہ زراعت ہوتی ہے
یہ خطہ عرب کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع ہے، یہاں "کافی" بہت ہوتی ہے۔
نجد۔ جزیرہ نمائے عرب کا وسطی علاقہ جو حجاز کے مشرق کی طرف واقع ہے
اس کا دارالحکومت الریاض ہے اور بلند ترین پہاڑ کوہ شمر ہے۔ اس
کا اکثر حصہ صحرائی ہے۔
حضرموت۔ عرب کا جنوبی حصہ ہے۔ عذاب الٰہی سے تباہ ہونے والی
عاد و ثمود قوموں کا وطن تھا۔ یہاں قبائلی شیوخ حکمران ہیں۔ جو عدن کی
برطانوی حکومت کے زیر اثر ہیں۔
عمان۔ صحرائے الدھنا کے مشرق میں ہے۔ یہ ایک علیحدہ حکومت کا ملک ہے
یہاں کھیتی باڑی ہوتی ہے اور معدنیات بھی نکالے جاتے ہیں۔
نجران۔ یہ عربی علاقہ یمن کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ رسول اللہؐ کے زمانے
میں یہاں عیسائی آباد تھے، وہ مناظرہ کے لئے سرکار رسالتؐ کی خدمت
میں حاضر ہوئے تھے۔ جب انہوں نے مکابرہ اختیار کیا تو رسول اللہؐ نے
انہیں مباہلہ کا چیلنج دیا۔ اور اس مباہلہ میں حضور معصومۂ کونین حضرت فاطمہؑ اور
سرکار ولایت علیؑ ابن ابی طالبؑ اور سبطین شریفین حضرت امام حسنؑ اور
امام حسینؑ کو لے گئے۔ نہ کسی صحابی کو ساتھ لیا تھا اور نہ کسی ام المومنین کو عیسائی
ان نورانی صورتوں سے ایسا متاثر ہوئے کہ مباہلہ سے انکار کیا اور جزیہ دینا
منظور کر لیا۔ نجران میں بارش ہوتی ہے اس لئے یہ علاقہ کھیتی باڑی کا
علاقہ ہے۔

عسیر۔ نجران سے ملا ہوا عسیر کا علاقہ ہے۔ یہاں بھی بارش ہوتی ہے۔اس لئے یمن کی طرح یہاں بھی زراعت خوب ہوتی ہے۔

عرب کی وادیاں

عرب میں کوئی مستقل دریا نہیں جو سال بھر جاری رہتا ہو۔ مگر جب بارش ہوتی ہے تو بارش کا پانی چند ہفتے یا چند دن بہنے کے لئے کچھ گزرگاہیں بناتا ہے۔ اس بہنے والے پانی کو "سیل" اور اس گزرگاہ کو "وادی" کہتے ہیں۔ عرب ان گزرگاہوں میں کنویں کھودتے ہیں اور انہیں ان کنووں سے پانی آسانی سے مل جاتا ہے۔

ان وادیوں سے متصل زمینوں میں کھجوروں کے باغات ہوتے ہیں۔ ان ہی وادیاں کے ساتھ ساتھ عرب کی سڑکیں، شاہراہیں اور راستے ہیں جن پر عرب سفر کرتے ہیں۔ مشہور وادیوں کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

وادیٔ حنیفہ۔ خطۂ نجد کی وادی ہے۔ اسی کے فیضان سے نجد میں کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔

وادی الرمہ۔ یہ وادی عرب کے وسط سے گزرتی ہے۔ مدینہ سے شروع ہوتی ہے، شط العرب پہ ختم ہو جاتی ہے۔

عرب کی آب و ہوا

عرب بہت ہی گرم علاقہ ہے۔ خط سرطان اس کے درمیان سے گزرتا ہے۔ یہاں سخت گرمی پڑتی ہے۔ صحراؤں میں لُو (باد سموم) چلتی ہے۔ چونکہ ریگستان ہے اور ریت کی خاصیت ہے کہ جلد ہی گرم ہو جاتی ہے اور جلد ہی سرد پڑ جاتی ہے۔ اس لئے دن سخت گرم ہوتے ہیں اور راتیں سرد اور خوشگوار ہوتی ہیں۔ اس لئے عرب عموماً راتوں

میں سفر کرتے ہیں۔

پیداوار عرب کی سب سے بڑی پیداوار کھجوریں ہیں۔ یمن میں گندم اور بعض دوسرے اناج بھی پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستانوں میں مکئی، جَو اور گندم کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ عمان اور احساء کے علاقوں میں چاول بھی بوئے جاتے ہیں۔ احساء اور بحرین کے علاقوں میں تیل کے چشمے ہیں جو غیر ملکی کمپنیوں کے اجارہ میں ہیں۔ بحرین میں سمندر سے موتی بھی نکالے جاتے ہیں۔

درخت عرب کے عام صحراؤں میں کیکر، ببول اور خار دار جھاڑیاں پائی جاتی ہیں۔

مویشی عرب کا مشہور جانور اونٹ ہے۔ جسے "صحرا کا جہاز" کہتے ہیں۔ وہ عربوں کی اکثر ضروریات زندگی بہم پہنچاتا ہے۔ سواری اور باربرداری کے کام آتا ہے۔ عرب کے گھوڑے بھی مشہور ہیں، بہترین نسل کے گھوڑے نجد میں ہوتے ہیں۔

خوراک عربوں کی عام خوراک کھجوریں، ستو، اونٹنی کا دودھ اور اونٹ کا گوشت ہے۔

باشندے عرب میں دو طرح کی آبادی ہے۔ حضری اور بدوی حضری ایسے لوگوں کو کہتے ہیں جو شہروں اور قصبوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بدوی ایسے لوگوں کو کہتے ہیں جو خانہ بدوش ہیں۔ یہ لوگ پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے رہتے ہیں۔ بدو کا لفظ بادیہ سے نکلا ہے۔ بادیہ سے مراد صحرا ہے۔ ملک کی زیادہ آبادی انہی بدوؤں کی

ہے۔ ریوڑ چرانا ان کا پیشہ ہے۔ مویشیوں پر ان کی گذر اوقات ہے۔ عرب کے تمام باشندے سامی نسل سے ہیں۔ یعنی وہ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ہیں۔

عرب کی تاریخ میں ان کی تین جماعتیں مشہور ہیں:۔

(۱) عرب بائدہ (۲) عرب عاربہ یا بنی قحطان (۳) عرب مستعربہ یا بنی عدنان۔

۱۔ عرب بائدہ ۔ عرب کے قدیم باشندے ہیں جو انقلابات زمانہ سے تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اب سرزمین عرب پر ان کا نشان تک نہیں ان میں طسم، جدیس، عاد و ثمود مشہور قبائل ہوئے ہیں۔

۲۔ عرب عاربہ یا بنی قحطان ۔ سام کی چوتھی اور حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں قحطان نامی شخص کی اولاد ہیں۔ ان لوگوں کا اصلی وطن یمن تھا جہاں انہوں نے عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی۔ قحطان کی تیسری پشت میں سبا، اکبر اس سلطنت کا بانی تھا۔ یمن سے نکل کر یہ عرب بائدہ کی تباہی کے بعد تمام عرب میں پھیل گئے۔ ان کی مشہور شاخیں بنی جرہم، بنی یعرب، بنی لخم، بنی غسان اور بنی کندہ ہیں۔

۱۔ بنو لخم نے سرحد عرب و ایران پر ایک ریاست قائم کر لی تھی۔ جس کا صدر مقام حیرہ تھا۔ یہ ریاست ایرانیوں کے ماتحت ایک حکومت تھی۔

۲۔ بنو غسان کی حکومت سلطنت روما کے زیر اثر رومن امپائر کی سرحد پر تھی انہوں نے رومیوں کے اثر سے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

۳۔ بنو کندہ کی ریاست وسط عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔
۴۔ بنو خزرج اور بنو اوس بھی عرب عاربہ یعنی قحطان کی اولاد ہیں۔ ان کو سعادت نصیب ہوئی کہ یہ یثرب میں آباد ہوں اور مکہ کا جلاوطن رسول خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ ام جب یثرب کو مدینہ منورہ بنا سکے تو یہ ان کی نصر کی سعادت سے انصار کہلائیں اور ان کی اولاد قیامت تک انصاری نسبت سے فخر کرتی رہے۔

۳۔ عرب مستعربہ یا بنی عدنان۔ یہ لوگ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ہیں عدنان آ سے چالیسویں پشت میں تھے۔ حجاز اور نجد کے اکثر باشندے حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں۔ قریش بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ قریش میں سے بنو ہا وہ شاخ ہے جن کے افراد حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل کے مذہب کے امانتدار تھے اور امت مسلمہ تھے۔ انہیں یہ فخر ہے کہ انبیاء کا سردار اور رسولوں کا خاتم ان میں ہی پیدا ہوا اور پھر رشد و ہدایت اس خاندان میں قیامت تک کے لئے وقف ہو گئی۔ رسول اللہ کے بعد ولایت وامامت عصمت و طہارت، علم و حکمت یہ سب اوصاف ان کے حصے میں آ گئے۔

سوالات

۱۔ ملک عرب کی اہمیت، اس کا حدود اربعہ، رقبہ، آبادی اور جغرافیائی صورت کو بیان کرو۔

۲۔ عرب کن کن حصوں میں منقسم ہے؟ ہر حصہ کی خصوصیات اور جغرافیائی حالت کو بیان کرو۔

۳۔ مندرجہ ذیل مشہور مقامات پر نوٹ لکھو:
خیبر، فدک، غدیر، بدر، اُحد، حدیبیہ، طائف اور جدہ

۴۔ مکہ معظمہ کی خصوصیات کیا ہیں؟

۵۔ جنت البقیع پر نوٹ لکھو اور اس کی موجودہ حالت پر بھی تبصرہ کرو۔

۶۔ مدینہ طیبہ کی خصوصیات کو بیان کرو۔

۷۔ عرب کی وادیوں کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

۸۔ عرب کی آب و ہوا بیان کرو۔

۹۔ عرب کی پیداوار کو تفصیل سے لکھو۔ نیز وہاں کون کون سے مویشی ہوتے ہیں اور کون کون سے درخت پائے جاتے ہیں۔

۱۰۔ عرب کی سوشل حالت بیان کرو۔ اور حضری اور بدوی کی اصطلاحوں کو واضح کرو۔

۱۱۔ عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ سے کون لوگ مراد ہیں۔

۱۲۔ بنی قحطان کا اصلی وطن اور ان کی ملکی عظمت کو بیان کرو۔

۱۳۔ بنو لخم، بنو غسان، بنو کندہ، اوس و خزرج پر نوٹ لکھو۔

۱۴۔ بنو عدنان کون ہیں؟ ان کی روحانی عظمت کو تفصیل سے بیان کرو۔

دوسرا باب

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے دنیا اور بالخصوص عرب کی حالت

دنیا کی حالت

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے دنیا پر ایک خزاں کا عالم تھا۔ عالمِ انسانیت پر کفر و ضلالت، ظلم و جور اور فسق و فجور کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ گزشتہ انبیاءؑ کی محنت برباد ہو چکی تھی، مختلف سابقہ تہذیبوں کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔

دینِ عیسوی میں شرک آ چکا تھا۔ تثلیث نے توحید کو مسخ کر دیا تھا۔ مسیح علیہ السلام کو کوئی خدا کا بیٹا کہتا تھا کوئی خدا۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسٰیؑ کے بتوں کی پرستش ہو رہی تھی جس کے اب تک آثار فرقہ رومن کیتھولک میں موجود ہیں۔ ظاہری رہبانیت نے انسانی اخلاق کو تباہ کر دیا تھا۔ یادریوں کی جہالت سے علمی تحقیقات کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یہودی جو اپنے آپ کو خدا کے چہیتے بیٹے سمجھتے تھے ان پر ذلت طاری ہو چکی تھی۔ ہندوستان میں بت پرستی عام تھی۔ حیوانوں، درختوں، قدرت کی طاقتوں، پتھر کے بتوں، اجرامِ فلکی سورج، چاند اور ستاروں کو خدا سمجھ کر پوجا جا رہا تھا۔ کروڑوں دیوتاؤں

کی عبادت ہو رہی تھی، وام مارگ زوروں پر تھا۔ یہ وہ ننگِ انسانیت
تھا جس میں ہر طرح کی بدکاری، گناہ، قتل و غارت اور فسق و فجور کو
اور عبادت سمجھا جا رہا تھا۔ ان افعال کے مرتکب مہاتما یا مہاپرش کہلا
تھے۔ ایرانیوں میں ثنویت کا عقیدہ سرایت کر گیا تھا یعنی وہ دو خداؤں
قائل تھے۔ خیر یعنی نیکی کے خدا کو یزداں اور شر یعنی بدی کے خدا کو اہر
کہتے تھے۔ آتش پرستی عام تھی۔ محرمات سے بیاہ رچائے جاتے تھے
میں ستارہ پرستی عام تھی۔ پادریوں کی جہالت سے یونانی علم و حکمت
خزانے مقفل پڑے تھے۔ طاقت کی دنیا بھر میں حکمرانی تھی۔ غریبوں نادا
کو کچلا جا رہا تھا۔ سرمایہ داری کے خون آشام پنجے کمزوروں کا خون بہا رہے
سود خوری عام تھی۔ ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا۔

خلاق

خالقِ عالم نے چاہا کہ دنیا کا آخری نبی سارے عالم کا ہادی بن کر آ
اور عرب کی سرزمین سے توحید، اخوت انسانی، مساوات اور امن کا پیغا
ساری دنیا کو سنائے۔ مگر جس سرزمین سے یہ الٰہی پیغام بلند ہونے وا
تھا اس کی اپنی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

عرب کی حالت

ایام جاہلیہ

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے زمانہ کو اسلام کی اصطلاح میں دورِ جاہلیت
کہتے ہیں۔ جب ہم حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ نام عرب کے اس زما
کے حالات کے پیشِ نظر موزوں ترین نام ہے۔

مذہبی حالت زمانۂ جاہلیت میں عرب میں مختلف مذہب موجود تھے :-

۱۔ بُت پرستی :- عرب میں اکثریت کا مذہب بُت پرستی تھا۔ بے شمار بتوں کی پوجا ہوری تھی۔ اللہ کا گھر جسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے حق پرست ہاتھوں نے تعمیر کیا تھا بُت پرستی کا مرکز بُت خانہ تھا جس میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا بُت علیحدہ علیحدہ تھا۔

۲۔ خدا کا انکار۔ بُت پرستوں کے علاوہ ناستک یعنی منکرین خدا بھی عرب میں موجود تھے۔ وہ خدا کے بھی منکر تھے اور اعمال کی جزا سزا کے بھی منکر تھے۔ وہ دنیا کو قدیم جانتے۔ یہ "دہریہ مذہب" کہلاتا تھا۔

۳۔ زندیق۔ عقائد میں ایران نے بھی عربوں پر اثر ڈالا تھا۔ یعنی وہ "خالق خیر" اور "خالق شر" دو خداؤں کو مانتے تھے۔ یہ عقیدہ حیرہ کے رستے بنو تمیم کے ذریعے عرب میں داخل ہوا۔ اس عقیدہ کا انسان زندیق کہلاتا تھا۔

۴۔ صابئین۔ عرب میں ستارہ پرست بھی تھے۔ انہیں صابئین کہتے تھے۔ یہ لوگ ستاروں کو خدا کا شریک قرار دیتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔

۵۔ یہودیت۔ عرب میں یہودی بھی موجود تھے۔ سلطنت روما نے انہیں شام سے جلاوطن کر دیا تھا تو یہ حجاز میں داخل ہو کر وسط حجاز تک پھیل گئے تھے ان کے اثرات سے بہت سے عربوں نے بھی یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

۶۔ عیسائی۔ سلطنت روما نے بنو غسان کے بعض قبائل کو جو عرب عاریہ

تھے، عیسائی کر لیا تھا۔ اس لئے عرب میں عیسائی مذہب کے پیرو بھی موجود تھے۔

۷۔ امتِ مسلمہ۔ اولادِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ میں سے ایک گروہ امتِ مسلمہ عرب میں موجود تھا۔ جنہوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔ یہ خدا پرست موحد تھے۔ ملتِ ابراہیمی اور دینِ حنیف پر تھے۔ یہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے باپ دادا تھے۔ چنانچہ حضرت ہاشم حضرت عبدالمطلب، حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب ؑ سب امتِ مسلمہ اور دینِ حنیف پر تھے۔ یہ مذہب ابراہیمؑ کے امانت دار تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کے اوصیا تھے۔ ان کا دل عرب کی مشرکانہ حالت پر کڑھتا تھا اس لئے دعائے خلیل کے منتظر تھے۔ اس خاتم الانبیاءؑ کا انتظار کر رہے تھے جو دعائے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے مطابق اسی امتِ مسلمہ میں سے مبعوث برسالت ہونے والا تھا۔

سیاسی حالت جزیرہ نمائے عرب کے باشندے کبھی کسی خاص حاکم کے محکوم نہیں رہے۔ ان میں اگر کوئی نظام تھا تو صرف یہی کہ وہ اپنے قبیلہ کے ایک سردار کے ماتحت تھے۔ مختلف قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اور قتل و غارت میں مبتلا تھے۔ بکر و تغلب کی چالیس برس کی لگاتار لڑائی زمانہ رسالت سے تھوڑے عرصہ پہلے ختم ہوئی تھیں۔ حضرموت اور کندہ کے لوگ برسوں کی مسلسل جنگ میں تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ یثرب کے قبائل اوس و خزرج اپنی لڑائیوں میں اپنے سردار ضائع کر چکے تھے۔ خانہ کعبہ میں

حرب الفجار کا سلسلہ جاری تھا۔ اور اللہ کا گھر میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے جن کی بدولت سارا ملک قتل و غارت کی مصیبت میں گھرا ہوا تھا۔ حیرہ کے عربی حکمران حالانکہ بہت ہی صاحب اقتدار تھے۔ ان کا مال بھی آسانی سے عکاظ کے بازاروں میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حج کے موسم میں جرائم پیشہ قبائل لوٹ مار سے خوب ہاتھ رنگتے تھے۔ اسلم اور غفار کے قبیلے حاجیوں کا مال لوٹنے میں مشہور تھے۔ طے کا قبیلہ جس قدر معزز و ممتاز تھا اسی قدر چوری اور رہزنی میں بدنام تھا۔ عرب کے دو مشہور شاعر سلیک ابن سلکہ اور تابط شرا عرب کی شاعری کی جان تھے۔ مگر ان کی شاعری کا کلیات غارتگری کی کہانیاں ہیں۔ لوٹ مار سے ملک کی تجارت تباہ ہو چکی تھی۔ ملک کی شاہراہیں محفوظ نہ تھیں۔ تجارتی قافلے جن پر ملک کی گذر اوقات تھی امن سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی اور بیرونی کیفیت یہ تھی۔ ملک کی سرحدوں پر روم و ایران جیسی ذی اقتدار سلطنتوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ زرخیز و سرسبز قطعات ان کے قبضہ میں جا چکے تھے۔ قریب تھا کہ عرب پر سامراجی طاقتیں اپنا تسلط قائم کر لیں۔ یمن، عمان اور بحرین کے علاقوں پر ایران کا مالکانہ قبضہ تھا۔ آل منذر کی حکومت کو ختم کر کے ایرانیوں نے ملک کے اندرونی حصوں میں اپنے قدم بڑھا دیئے تھے۔

عرب سے ملے ہوئے حدود شام کے علاقوں پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ آل غسان وغیرہ کے دوسرے چھوٹے چھوٹے قبائل کے رئیس عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ اور ان کی ملکی امداد سے اہل روما ۸ھ میں مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے

شام اور فلسطین کے جلاوطن یہودی سرحدِ شام سے وسط حجاز تک آباد ہو گئے تھے۔ خیبر، تیما، فدک، وادی القریٰ جیسے زرخیز علاقے ان کے قبضہ میں تھے۔ جہاں ان کی تجارتی منڈیاں تھیں۔ قدیم زمانے میں یہودیوں کی کثرت مال نے جس طرح سپین اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہود کو ملکی نظم ونسق کا ایک خوفناک جزو بنا دیا تھا اسی طرح عرب میں بھی ان کی یہی صورت حال تھی۔ ان کا معاشی اقتدار (ECNOMICAL DOMINATION) ملک کے باشندوں کو تباہ کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنی صیہونی نو آبادیوں میں مضبوط قلعے تعمیر کر لئے تھے۔ ان کا فوجی اقتدار (MARSHAL DOMINATION) ملک کی آزادی کو سلب کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ عرب میں یہودی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔

المختصر سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں اندرونی خلفشار بھی تھا اور عرب کو بیرونی خدشات بھی درپیش تھے۔

اخلاقی وتمدنی حالت

عربوں میں جس طرح شراب خوری عام تھی اسی طرح زنا، فسق و فجور بھی عام تھا۔ شراب خوری سے اگر ہر گھر شراب خانہ تھا تو سارا ملک بدکاری کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ زانیہ عورتیں اپنے مکانوں پر جھنڈے گاڑ لیتی تھیں۔ اسی لئے "ذات الرایات" جھنڈے والیاں کہلاتی تھیں۔ شراب سے سرشار ہو کر بے حیائی کی باتیں کرنا عیب نہ تھا۔ بجا ان کی دن رات کی دل لگی تھی۔ عربوں کو اپنی زبان اور ادب پر بہت ناز تھا۔ شاعری میں انہوں نے کمال حاصل کیا تھا۔ شعر وسخن میں اپنی بدکاریوں کا تذکرہ

فخر و ناز سے کرتے تھے۔ اور اپنی محبوب عورتوں کے نام لے لے کر بدکاری کی داستانیں بیان کی جاتی تھیں۔ حقیقی ماں کے علاوہ باپ کی دوسری بیویوں سے خواہشاتِ نفسانی کو پورا کرنا ان کا معمول تھا۔ بیویوں کی تعداد مقرر نہیں تھی لوگ بیسیوں شادیاں کر لیتے تھے۔ صنفِ نازک یعنی عورت ان کی نظروں میں بہت ذلیل تھی۔ اس لئے بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ مگر امتِ مسلمہ ان عیوب سے پاک تھی۔ عرب کی تاریخیں پڑھ جائیے، عرب کی قدیم داستانوں کا مطالعہ کیجئے عرب کی گذشتہ روایات کو غور و فکر سے ٹٹولئے، حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے آباؤ اجداد میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے دامنِ جلال پر جاہلیت کے رسم و رواج کا ایک خفیف سے خفیف داغ بھی مل سکے۔ یہ اپنی معصومانہ زندگیوں سے دینِ حنیف، ملتِ ابراہیمؑ یعنی اسلام حقیقی کے پُرجوش مبلغ تھے۔ اور ان تمام برائیوں سے پاک تھے جو عربوں کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھیں۔

عربوں کی سوسائٹی تین طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ امیر طبقہ، متوسط طبقہ، غریب مفلس طبقہ۔ تیسرا گروہ عرب میں کثرت سے تھا۔ اور وہ پہلے طبقہ کے ظلم و جور کا تختۂ مشق تھا۔ صرف عرب میں امتِ مسلمہ یعنی حضرت محمد مصطفٰے (روحی فداہ) کا گھرانا ہی ایسا گروہ تھا جن کے دل میں بنی نوعِ انسان کا درد تھا اور اس تیسرے گروہ کے ہر مشکل کے وقت کام آتے تھے۔

عرب میں قدیم یونان کی طرح غلامی کا رواج تھا۔ سوسائٹی میں آزاد اور دونوں طرح کے لوگ موجود تھے۔ غلاموں اور لونڈیوں کی باقاعدہ خرید و فروخت

ہوتی تھی اور ان بدنصیب انسانوں کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ عرب سوسائٹی کا مظلوم ترین گروہ تھا۔ بڑے بڑے سرمایہ دار سود روپیہ دیتے تھے۔ ان کے ہاں سود کی شرح نہایت ظالمانہ تھی۔

اقتصادی و معاشی حالت

عرب کا بیشتر حصہ صحرائی اور بنجر تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر عرب کے باشندوں کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس اقتصادی حالت کو باہمی جنگوں اور لوٹ مار نے اور بھی تباہ کر دیا تھا۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہیں پیٹ بھر کے دو وقت کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ملک کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے خاندانِ رسالتؐ نے تجارت کو رواج دیا تھا۔ قصیؔ اور ہاشم عرب میں تجارتی فروغ کے علمبردار تھے۔ بعض عربوں میں تجارت سے وہ خرابیاں آ گئی تھیں جو سرمایہ داری کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر خاندانِ رسالت ان خباثتوں سے پاک و پاکیزہ تھا۔ یہ لوگ "کماؤ اور تقسیم کرو" کے زریں اصول پر عامل تھے۔

عرب کے سرحدی علاقوں پر جو قبائل آباد تھے انہوں نے ایرانی اور رومی بادشاہوں کی غلامی کا جوا اپنی گردن پر رکھ کر اپنی معاشی حالت کو اچھا کر لیا تھا۔ مگر اس کی قیمت ملک سے غداری تھی۔ روما اور ایران کی سلطنتیں انہیں اپنے سامراجی عزائم کا آلۂ کار بنانا چاہتی تھیں۔

تعلیمی حالت

عرب میں پڑھے لکھے انسان خال خال تھے۔ البتہ عرب کے یہودی اور عیسائی کچھ تعلیم یافتہ تھے۔ یہ لوگ عبرانی اور

لاطینی زبانیں بھی جانتے تھے۔

سوالات

۱۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے مجموعی طور پر دُنیا کی کیا حالت تھی؟
۲۔ وام مارگ کس ملک کا مذہب ہے، اس مذہب کے اصول کیا ہیں؟
۳۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عیسائی اور یہودی دُنیا کی کیا حالت تھی؟
۴۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب کی مذہبی حالت کو بیان کرو اور بتلاؤ کہ دہریہ، زندیق اور صابئین کے عقائد کیا تھے؟
۵۔ اصحابِ سبعہ پر ایک تفصیلی نوٹ لکھو۔
۶۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب کی سیاسی حالت کیا تھی؟ بالخصوص عرب کی اندرونی سیاسی مشکلات بیان کرو۔
۷۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب کو کون کون سے بیرونی خدشات درپیش تھے؟ اسے تفصیل سے لکھئے۔
۸۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب کی اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی حالت کیا تھی؟
۹۔ سرکارِ رسالتؐ سے قبل عرب کے ناگفتہ بہ اخلاق،

معاشرتی اور تمدنی ماحول میں امتِ مسلمہ کی کیا پوزیشن تھی ؟

۱۰۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عربوں کے معاشرتی نظام کیا نقشہ تھا ؟

۱۱۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عربوں کی معاشی اور اقتصادی حالت کیا تھی ؟

۱۲۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عربوں کی تعلیمی حالت بیان کیجئے۔

تیسرا باب

اُمّتِ مسلمہ، خاندانِ رسالت

بنی ہاشم

فہر عرب میں "قریش" کا قبیلہ ممتاز قبیلہ تھا جو فہر کی اولاد سے تھا۔ فہر کا لقب "قریش" تھا۔ حضرت فہر تیسری صدی عیسوی میں ہوئے ہیں، یہ معد بن عدنان کی اولاد سے تھے جو آلِ ابراہیمؑ کی اُمتِ مسلمہ سے تھے۔

قصی اس خاندان میں پانچویں صدی عیسوی میں قصی ہوئے ہیں جنہوں نے عرب میں بڑی عزت و بلندی حاصل کی۔ حضرت قصی نے مکہ معظمہ کی منتشر ادی کو شہر میں تبدیل کیا۔ خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا، اپنی رہائش کے لئے ظیم الشان عمارت بنائی جس کا ایوان کونسل ہال کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ب لسے "دار الندوہ" کہتے تھے اور اس میں جمع ہو کر معاشرتی، تجارتی اور تمدنی امور کے فیصلے کرتے تھے۔ انہوں نے عرب کا دستور بنایا۔ نظام مت کو ترتیب دیا۔ خوراک، پانی کی بہم رسانی اور ٹیکسوں کے آئین و نین وضع کیے۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قصی عرب تمدن کے بانی اور قوانینِ عرب کے واضع تھے۔ ان کی ان خدمات اور

ان کے روحانی اقتدار کی وجہ سے عرب کے تمام معزز قبائل نے ان کی اطا
میں اپنی گردنیں خم کر دیں اور انہیں اپنا سردار اور حکمران تسلیم کیا۔ حضرت قصی
انتقال ۸۰ئ میں ہوا۔

خاندان قصی خاندان قصی کے افرادِ مسلمہ اپنے روشن کیرکٹر کی وجہ سے
خانہ کعبہ کے محافظ بھی تھے، موسم حج کے منتظم بھی اور ع
کے مصلح بھی۔ ان کی رائے ہر معاملہ میں صائب تھی۔

عبدمناف قصی کے بیٹوں میں عبدمناف کو کعبہ کی تولیت اور قریش
ریاست حاصل ہوئی۔ کعبہ کی تولیت ایک بہت بڑا منصب
تھا جو اس خاندان سے مخصوص تھا۔ اس کے علاوہ سخاوت، شجاعت، عد
غرضیکہ تمام اخلاقِ حسنہ سے عبدمناف آراستہ تھے۔

ہاشم عبدمناف کے فرزندوں میں حضرت ہاشم بڑے صاحب صولت ا
باا ثر تھے۔ اگرچہ اُن کے بھائیوں میں عبدالشمس کا بھی شمار ہوتا ہے
مگر اپنے باپ کے اوصاف کی پوری شان حضرت ہاشم ہی میں جلوہ نما تھی۔ اس
عبدمناف کے بعد تمام وہ شرف جو عبدمناف کو حاصل تھے حضرت ہا
کے لئے تسلیم کئے گئے۔

بنی امیہ کا بنی ہاشم سے عناد امیہ جو اپنے کو عبدالشمس کا بیٹا کہتا تھا
نے ہاشم کا مقابلہ کرنا چاہا اور چاہا کہ
عزت اور سرداری کا تاج حضرت ہاشم کے سر سے اتار لے۔ مگر اُسے ناکا
اور رسوائی ہوئی۔ اس ناکامی سے مخالفت کی آگ کے شعلے اگرچہ وقتی طو

پر دب گئے مگر حسد و عناد کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگتی رہیں۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے اختلافات کی بنیاد یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ کا اختلاف قبائلی عناد نہ تھا بلکہ دونوں قبیلوں کی طبیعتیں متضاد تھیں۔

بنی ہاشم موحد خدا پرست تھے تو بنی امیہ ماحول کے اثرات سے بُت پرست ہو چکے تھے۔ بنی ہاشم میں شفقتِ خلق کا جذبہ تھا تو بنی امیہ سرمایہ دارانہ ذہنیت سے انسانیت کا خون چوسنا چاہتے تھے۔ بنی ہاشم عفیف و پاکدامن تھے بنی امیہ رنگیلے مزاج اور عیاش۔ بنی ہاشم ایثار و قربانی سے موصوف، بنی امیہ اقتدار دوست و خود غرض۔ بنی ہاشم مجسمۂ روحانیت حامیانِ سیاستِ روحانیہ، بنی امیہ مجسمۂ مادیت علمبردارِ سیاستِ مادیہ۔ طبیعتوں کا یہ اختلاف رنگ لایا۔ ابوسفیان تا امکان محمد مصطفےٰؐ سے لڑتا رہا۔ معویہ ابن ابوسفیان نے حضرت علیؑ سے بغاوت کی متعدد لڑائیاں لڑا اور ہزار ہا مسلمانوں کا خون اس بغاوت سے بے دریغ بہایا اور اس کا بیٹا یزید اس خونریزی کا باعث ہوا جو درد دل رکھنے والے انسانوں کو قیامت تک خون کے آنسو رلاتی رہے گی اور بنی امیہ کے تاجداروں نے بنی ہاشم کے خون بہانے میں کبھی دریغ نہ کیا۔

حضرت ہاشم نہایت شریف، معزز و متمول تھے۔ کعبہ کی معزز خدمتیں ان کے سپرد تھیں جو انہوں نے نہایت قابلیت سے انجام دیں۔ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے عرب کی تجارت کو فروغ دیا۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے کچھ خاص حقوق عرب تاجروں کے لئے حاصل کئے تھے۔ انہوں نے عرب

جیسے بحرِ ملک میں قلتِ غذا کی گتھیوں کو اپنے ناخنِ تدبیر سے سلجھا دیا تھا۔
اُن کا لقب اس لئے مشہور ہوا کہ انھوں نے ایک دفعہ قحط کے زمانے
روٹیاں شوربے میں چُور کے لوگوں کو کھلائیں (عربی میں ہشم چُورنے کو کہتے ہیں)
حضرت ہاشم کا انتقال ۵۱۰ء میں ہوا۔

عبدالمطلبؑ

عبدالمطلبؑ حضرت ہاشم کے فرزند نہایت بلند مرتبہ انسان
تھے۔ وہ عرب میں "سید البطحا" کے لقب سے مشہور تھے۔
حضرت عبدالمطلبؑ نے ۵۹ سال تک مکہ پر حکومت کی۔ ان کا اعتماد
اور خدا پر بھروسہ ۵۷۰ء میں واقعہ اصحابِ فیل سے ظاہر ہوا۔ ابرہہ نے
حملہ کیا۔ حضرت عبدالمطلبؑ کی دعا سے اللہ تعالےٰ نے اصحابِ فیل کو
برباد کر دیا۔ ۵۷۰ء کا سال عربی روایات میں اسی لئے "عام الفیل" کہلاتا ہے۔
حضرت عبدالمطلبؑ کے دس بیٹے تھے۔ جن میں سے حضرت عبداللہؑ اور
حضرت ابوطالبؑ ایک ماں کے بطن سے تھے۔ حضرت عبدالمطلبؑ کے
بیٹوں کا ہماری اس تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ حضرت عمران ابوطالبؑ
حضرت علی مرتضیٰؑ، حضرت عبداللہؑ والد حضرت محمد مصطفےٰ صلعم، حضرت
حمزہؑ سید الشہدا اور حضرت عباسؓ مورثِ اعلیٰ خاندانِ عباسیہ۔ ایک
ابولہب تھا جو اسلام کی تحریک اور اس کا سخت مخالف تھا۔ اس کی شادی
امیہ میں ہوئی تھی۔ سسرالی اثرات اس کی طبیعت میں گھر کر گئے تھے۔

حضرت ابوطالبؑ

حضرت عبداللہؑ تو حضرت عبدالمطلبؑ کی زندگی میں
انتقال فرما چکے تھے، اس لئے حضرت عبدالمطلبؑ

کی وفات کے بعد اُن کے تمام اختیارات حضرت ابوطالبؑ کو حاصل ہوئے حضرت ابوطالبؑ "شیخ البطحا" اور "سید القریش" کے القاب سے مشہور ہیں۔

وہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ورثوں کے وارث تھے اور وہ ان امانتوں کے بھی وارث تھے جو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی متروکہ تھیں۔ ان امانتوں میں سب سے بڑی امانت جو اُن کی حفاظت میں آئی وہ یتیم عبداللہؑ محمد مصطفےٰ کی ذات تھی۔ اور وہ قدرت کے مقاصد جو اس ذات سے وابستہ تھے ان سب کی حفاظت حضرت ابوطالبؑ کے متعلق تھی۔

شجرہ نسب خاندان رسالت

مرہ
کلاب
قصی
بنی نجار
عبدمناف
بنی سلمی
ہاشم
عبدالمطلب
اسد
آمنہ
حمزہؓ عباسؓ عبداللہؓ ابوطالبؑ
فاطمہ
محمد مصطفےٰؐ
علی مرتضیٰؑ عقیلؓ جعفرطیارؓ
مسلم ابن عقیلؓ
فاطمۃ الزہراؑ
عبدالعزیٰ
اسد
خویلد
خدیجۃ الکبریٰؓ
فاطمۃ الزہراؑ
عبداللہؓ
امام حسنؑ امام حسینؑ حضرت زینبؑ
قاسمؑ عبداللہؑ احمدؑ اولاد حسن مثنیٰ
(شہدائے کربلا)
علی اکبرؑ علی زین العابدینؑ علی اصغرؑ
عونؑ محمدؑ
(شہدائے کربلا)
امام محمد باقرؑ
امام جعفر صادقؑ
امام موسیٰ کاظمؑ
امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ
امام محمد تقیؑ
امام علی نقیؑ
امام حسن عسکریؑ
قائم آل محمد امام المنتظر م ح م د مہدی عجل اللہ فرجہ

سوالات

۱۔ اصطلاح قریش پر نوٹ لکھیے۔

۲۔ حضرت قصی کے حالات بیان کیجئے اور ثابت کیجئے کہ وہ تمدنِ عرب کے بانی اور عرب کے واضع آئین تھے۔

۳۔ خاندانِ قصی کی خصوصیات بیان کیجئے اور عبد مناف پر نوٹ لکھیئے۔

۴۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے عناد کی بنا کیا تھی؟ اور ان دونوں خاندانوں کے اختلاف کی وجوہات کیا تھیں؟

۵۔ حضرت ہاشمؓ کی خصوصیات کو بیان کیجئے۔

۶۔ حضرت عبدالمطلبؓ کے حالات بیان کیجئے۔

۷۔ حضرت ابوطالبؓ کی کیا کیا خصوصیات ہیں؟

۸۔ خاندانِ رسالت کا شجرۂ نسب لکھئے۔ جس میں مختلف افراد کے رابطہ کی وضاحت ہو۔

چوتھا باب

سرکارِ رسالتؐ کی ولادت اور ابتدائی زندگی

۱ء عام الفیل سے ۴۰ سالِ نبوت تک

حضرت عبداللہؓ کی وفات حضرت عبدالمطلبؓ کو اپنے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ سے بہت محبت تھی۔ ۲۴ برس کی عمر میں حضرت عبداللہ کا نکاح شریف کیا گیا۔ معزز خاتون حضرت آمنہؓ سے ہوا۔ اس نکاح سے سات مہینے کچھ دن بعد حضرت عبداللہ کا انتقال

ولادت سرکارِ رسالتؐ محمد مصطفےٰؐ کی ولادت حضرت عبداللہؓ کی وفات کے ایک مہینہ چند دن بعد بروز جمعہ دوشنبہ ۲۹ اگست ۵۷۰ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱ عام الفیل مکہ معظمہ کے مقام شعب ابی طالب میں ہوئی۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ نے منشائے الہیٰ کے مطابق آپ کا نام محمد رکھا۔

عرب کے قانون کے مطابق حضرت محمدؐ دادا کی میراث سے محروم رہے چونکہ ان کے باپ کا انتقال دادا کی زندگی میں ہوچکا تھا۔ مگر اس یتیم عبداللہ نے اپنے باپ کے ورثہ میں ایک خادمہ ام ایمن، پانچ اونٹ اور چند دنبیاں

ملے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نبی وارث ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنے بعد اپنے وارثوں کے لئے ورثہ چھوڑتے ہیں۔ انہی ام ایمن نے آپ کو بچپن میں کھلایا تھا۔ ان کا نام "برکت" تھا۔

والدہ کا انتقال

حضورؐ کی عمر چھ برس کی تھی جبکہ ماں کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی پرورش آپ کے دادا نہایت محبت سے کرنے لگے۔

دادا کی وفات

ابھی آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تھی کہ شفیق دادا نے ۵۷۹ء میں وفات پائی۔

حضرت ابوطالبؑ کی کفالت

حضرت عبدالمطلبؑ نے وقتِ وفات یتیم پوتے کی کفالت ان کے حقیقی چچا حضرت ابوطالبؑ کے سپرد کی۔ حضرت ابوطالبؑ اور انکی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت اسد آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہیں اپنے بیٹوں سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ انہیں اپنے ساتھ سلاتے تھے اور جب تجارت کے لئے سفر پر جاتے تھے تو انہیں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

بچپن

سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ ؐ کبھی بچوں میں بیٹھ کر نہیں کھیلے۔ اگر کوئی بچہ کھیلنے کے لئے کہتا تو فرماتے ہم کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہیں پھر ان کو نصیحت فرماتے۔ بچپن سے ہی آپ کے چہرہ سے بزرگی اور متانت کے آثار نمایاں تھے۔

لہ طبقات ابن سعد

گھر کی دُنبیوں کی گلہ بانی

دس برس کی عمر میں آپ نے سیرت انبیاؑ پر گھر کی دُنبیاں چرانے کا کام اپنے ذمّہ لیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے یہی منظور تھا کہ آپ کو فضائے قدرت کے مناظر مشاہدہ کرائے جائیں تاکہ آپ صانع عالم کے عجائبات دنیا کے سامنے پیش کرسکیں نیز اللہ یہ بتلانا چاہتا تھا کہ بنی نوع انسان کی گلہ بانی ان کے سپرد ہونے والی ہے۔ حضورؐ اکثر فرمایا کرتے تھے :۔

"تمام انبیاؑ نے بکریاں اور دُنبیاں چرائی ہیں۔"

ایک دفعہ صحابہ نے عرض کیا "کیا آپ نے بھی یا رسول اللہؐ ؟" فرمایا۔ میں بھی میدانِ قرار لیط[1] میں دُنبیاں چرایا کرتا تھا۔[2]

سرکارِ رسالتؐ کی کاروباری زندگی

آپ کے چچا حضرت ابوطالبؑ بہت بڑے تاجر تھے۔ غیر ممالک میں ان کی تجارت تھی۔ حضرت ابوطالبؑ تجارتی سفر میں سرکارِ رسالتؐ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ تجارت کے لئے آپؐ نے شام اور یمن کے سفر کئے۔ حضورؐ نے بھی تجارتی کاروبار ہی شروع کیا۔ آپ کی دیانت کی وجہ سے اکثر عرب کے لوگ اپنا روپیہ تجارت کی غرض سے آپؐ کو دینے لگے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کو روپیہ سپرد کرتے تھے حضورؐ اُسے منافع کے ساتھ واپس فرماتے تھے۔ معاملہ کی صفائی کی وجہ سے آپ عرب بھر میں "صادق اور امین" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ آپؐ نے شام، یمن

---

[1] قرار لیط ایک صحرا کا نام ہے۔ [2] طبقات ابن سعد

اور عمان میں کئی کاروباری سفر کئے۔ نوجوانی میں ہی عربوں نے آپؐ کی سچائی اور دیانت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھنے لگے۔

معاہدۂ حلف الفضول

سرکارِ رسالتؐ محمد مصطفےٰؐ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ ۵۸۶ء کے قریب قریش اور قبیلہ بنی قیس میں لڑائی شروع ہوئی۔ چونکہ یہ لڑائی ان مہینوں میں ہوئی تھی جن میں جنگ وجدل منع تھی۔ اس لئے اس جنگ کو "حرب فجار" کہتے ہیں اس جنگ کے بعد ایک معاہدہ ہوا۔ جو تاریخ میں "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ صاف اقرار کر رہی ہے کہ اس قدر شریفانہ اصول پر عرب میں کوئی معاہدہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس معاہدہ کی تحریک بنی ہاشم کی طرف سے ہوئی تھی۔ حضرت عبدالمطلبؓ کے بعد بے امنی زور و شور سے شروع ہو گئی تھی۔ اجنبی لوگوں کی زندگی محفوظ نہیں تھی۔ بنی ہاشم کا حساس دل انسانی تکلیفوں اور زمانۂ جاہلیت کی بے باکانہ جرأتوں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے پردیسیوں اور اجنبیوں کی حمایت اور حفاظت کا بیڑا اٹھا لیا۔ اس معاہدہ میں عہد کیا گیا کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے۔ جب تک کہ اس کا حق ادا نہ ہو جائے۔ اور ہم اسبابِ زندگی میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ حضرت محمدؐ اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اور آپ ہمیشہ اس شرکت پر نازاں رہے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت محمد مصطفےٰ جب شام اور یمن میں جاکر کاروبار کرتے تھے تو جو لوگ تجارت میں حضورؐ کے شریک ہوتے تھے انہیں بہت نفع حاصل ہوتا تھا۔ مکہ میں قبیلہ قریش میں ایک معزز دولت مند خاتون "خدیجہ" تھیں جو پاکیزگی سیرت کی وجہ سے "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ تجارت اور کاروبار کے لحاظ سے عرب کے تاجروں میں کوئی اُن کے برابر نہ تھا۔ عرب کے لوگ انہیں عرب تاجروں کی ملکہ کہتے تھے جب اہلِ مکہ کا قافلہ تجارت کے لئے روانہ ہوتا تھا تو اکیلا حضرت خدیجہؓ کا مال تمام قریش کے مال کے برابر ہوتا تھا۔

حضرت ابوطالبؑ نے سرکارِ رسالتؐ سے مشورہ کے بعد حضرت خدیجہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت محمدؐ سے عرض کریں کہ آپ میرا سامانِ تجارت بھی لے جایا کریں۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر آپ ان کا مال لے کر شام گئے جس سے ان کو بہت نفع ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا حضرت خدیجہؓ حضورؐ کی دیانت اور نیکی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضورؐ نے قبول فرمالیا۔ حضرت ابوطالبؑ نے نکاح پڑھا۔ اس نکاح میں حضرت ابوطالبؑ نے جو خطبہ پڑھا اس سے آپ کا موحدؔ، خداپرست اور مسلم ہونا ثابت ہے۔ اس نکاح کے وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی عمر ~~چالیس~~ پچیس سال تھی۔ یہ نکاح بہت ہی مبارک ثابت ہوا۔

۱۔ حضرت خدیجہؓ کی تمام دولت و ثروت اسلام کی نشر و اشاعت پر

صرف ہوئی۔

۲۔ رسول ؐ کی مالی مشکلات حضرت خدیجہؓ کے مال سے حل ہو گئیں۔

۳۔ اس نکاح سے حضرت سیدۃ طاہرہ فاطمۃ الزہراؑ پیدا ہوئیں جن سے رسول اللہؐ کی اولاد دنیا میں پھیلی۔ گویا یہ نکاح بقائے نسل سرکار رسالتؐ کا باعث ہوا۔

مولودِ کعبہ کی ولادت

۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل یعنی سنہ ۶۰۰ء میں جبکہ رسول اللہ ؐ کی عمر تیس سال کی تھی حضرت ابوطالبؑ کے ہاں امیر المومنین حضرت علیؑ پیدا ہوئے۔ اس امر میں اسلامی روایات متفق ہیں۔ کہ جناب فاطمہ بنت اسد کے بطن سے حضرت علی علیہ السلام کی ولادت وسط بیت اللہ (خانۂ کعبہ) میں ہوئی[1]۔ یہ وہی علیؑ ہیں جن کے قوت زور سے اسلام پھیلا پھولا۔ سرکار رسالتؐ کے اس معجزۂ شجاعت کی پرورش و تربیت حضوری کے سایۂ رحمت میں ہوئی۔ جس کا ذکر خود تربیت پانے والے علیؑ نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"اے لوگو! قرابت اور مخصوص درجہ کے لحاظ سے جو نسبت مجھے رسول اللہؐ سے ہے تم جانتے ہو، رسول اللہؐ نے مجھے اس زمانہ میں اپنی آغوشِ رحمت میں لیا جبکہ میں ابھی پیدا ہی ہوا تھا۔ مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور مجھے اپنے بستر میں سلایا۔ میرا جسم ان کے جسم سے چھوتا تھا اور میں ان کی خوشبو کو سونگھتا تھا۔ اور حضورؐ کسی چیز کو چباتے

---

[1] مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۳، ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۰، وسیلۃ النجات صفحہ ۶۰ مطبوعہ لکھنؤ۔

تھے پھر اسے مجھے کھلاتے تھے۔ میں ہر وقت آپ کے ساتھ اخلاق خوبیوں کے رستے طے کرتا تھا۔ اور دن رات رسول اللہؐ کے بہترین اخلاق سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ میں اس طرح آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ آپ ہر روز میرے لئے اپنے اخلاق سے ایک علم بلند کرتے تھے اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ آپؐ ہر سال غارِ حرا میں گوشہ نشینی اختیار فرماتے تھے۔ میں آپ کو دیکھتا تھا اور میرے سوا کوئی آپ کو نہیں دیکھتا تھا۔ اس زمانہ میں اسلام کے ایک گھر میں رسول اللہؐ اور خدیجہؓ کے سوا کوئی نہ تھا اور میں ان کا تیسرا تھا۔ میں وحی و رسالت کے نور کو دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ میں نے نزول وحی کے وقت شیطان کی گریہ وزاری کو سُنا۔ میں نے عرض کیا یہ کیسی گریہ وزاری ہے۔ فرمایا یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا ہے۔ اے علیؑ! میں جو سنتا ہوں وہی تو سنتا ہے، جو میں دیکھتا ہوں وہی تو دیکھتا ہے۔ لیکن یہ کہ تو نبی نہیں بلکہ تو وزیر ہے اور یقیناً تو خیر و نیکی پر ہے۔[1]

کعبہ کی تعمیر جدید اور رسول امینؐ

۶۰۶ء میں جبکہ آنحضرتؐ عمر ۳۵ یا ۳۶ سال کی تھی۔ مکہ میں سیلاب آیا اور خانہ کعبہ کی دیواریں گر گئیں۔ قبائل عرب نے خانہ کعبہ کی

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۳ خطبہ القاصعہ خطبہ نمبر ۱۸۷ مطبوعہ مصر

دوبارہ تعمیر کیا، مگر جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ بنیادی پتھر اسی کے ہاتھ سے نصب ہو۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو قریب تھا کہ لڑائی کا ہنگامہ گرم ہو تلواریں کھنچ چکی تھیں۔ خونریزی کے عہد ہو چکے تھے کہ قوم کے ایک بوڑھے نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہو اسے فیصلہ کرنے والا ثالث مان لیا جائے۔ اور جو وہ فیصلہ دے اسے قبول کر لیا جائے۔ دوسرے روز جو سب سے پہلے داخل ہوئے وہ امین عالم کے علمبردار "الامین محمد مصطفیٰؐ" تھے۔ چنانچہ سب لوگ خوش ہو گئے۔ کہ "الامین" جو بھی فیصلہ کرے گا مناسب و موزوں ہو گا۔ آپ کے حسن تدبر اور دیانت کو دیکھئے آپ نے اپنی چادر بچھا کر اس میں پتھر کو رکھا اور تمام قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کو کناروں سے پکڑ کر اٹھائیں۔ جب یہ پتھر اس طرح اپنے مقام پر پہنچ گیا۔ تو حضورؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دیوارِ کعبہ میں نصب کر دیا۔ اور اس طرح حضورؐ نے ساری قوم کو خونریزی میں الجھنے سے بچا لیا۔

رسول امینؐ کی چالیس سالہ زندگی

باوجودیکہ عرب کا ملک بدکاری، بے حیائی، قتل و غارت، شراب خوری، فسق و فجور اور بت پرستی کا مرکز تھا۔ زنا، بدکاری، جوا اور بے حیائی عرب کی زندگی کے رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ مگر حضورؐ ان تمام برائیوں سے بلند و برتر تھے۔ اعلانِ نبوت کے بعد رسول اللہؐ نے قرآن حکیم کے مطابق جن چیزوں سے منع کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضورؐ نے کبھی بھی ان چیزوں کو قبل نزولِ قرآن کیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کو اپنے سینہ میں لے

کر دنیا میں آئے تھے اور چالیس سال آپ نے قرآنی احکام کی اپنے عمل اور کردار سے تبلیغ کی۔ قبل اعلان نبوت آپ کی سیرت آپ کی زندگی قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی عمل سے تفسیر کر رہی تھی آپ اپنی سیرت سے اعلان فرما رہے تھے میں بندہ خدا ہوں، مجھے کتاب دے دی گئی ہے اور نبی بنا دیا گیا ہے۔ نبی ہوں ہے اگرچہ دودھ پیتا بچہ ہو۔ کون کہتا ہے کہ آپ کو چالیس سال تک علم نہ تھا کہ آپ نبی اور رسول ہیں۔ ہاں چالیس سال کی عمر میں آپ کو بذریعہ جبرئیل امین وحی ہوئی کہ جو کتاب الہٰی آپ کے سینہ میں محفوظ ہے اسے بتدریج لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ چنانچہ آپ نے اعلان نبوت فرمایا اور جن چیزوں کو عمل سے چالیس سال پیش کیا تھا اب زبان سے ان کی طرف دعوت دینے لگے۔

سوالات

۱۔ حضرت عبداللہؑ کی خصوصیت اور ان کی وفات بیان کیجئے۔

۲۔ سرکار رسالت کی ولادت کو بیان کیجئے۔

۳۔ سرکار رسالتؐ کی پرورش کن کن افراد سے متعلق رہی اور ہر فرد کی زندگی کے حالات کا ذکر کیجئے۔

۴۔ سرکار رسالتؐ کے بچپن کے حالات بیان کیجئے۔ جس میں حضور کی گلہ بانی کا بھی تذکرہ ہو۔

۵۔ سرکار رسالتؐ کی کاروباری زندگی کو بیان کیجئے۔

۶۔ معاہدۂ حلف الفضول پر تفصیل سے روشنی ڈالئے۔

۷۔ محسنۂ اسلام حضرت خدیجہ کے نکاح کے حالات بیان کیجئے اور بتلائیے کہ یہ نکاح کن کن وجوہات سے نہایت مبارک تھا۔

۸۔ مولودِ کعبہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السّلام کی ولادت کے حالات لکھئے۔

۹۔ حضرت علیؑ کی تربیت کے حالات ان کی اپنی زبان سے بیان کیجئے۔

۱۰۔ کعبہ کی تعمیر جدید اور سرکار رسالتؐ کے تدبّر اور امن دوستی کو بیان کیجئے۔

۱۱۔ رسولِ امینؐ کی چالیس سالہ زندگی کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

پانچواں باب

بعثت، اعلانِ نبوّت اور دعوتِ اسلام

سرکارِ رسالت کی مکی زندگی

۱ سنہ نبوّت سے ۵ سنہ نبوّت تک

جب دنیا میں کفر و شرک انتہا کو پہنچ گیا اور ظلم و جور، فسق و فجور کے تاریک بادلوں نے ساری دنیا کو تیرہ و تاریک بنا دیا تو غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور سرکارِ ختمی مآب محمد مصطفےٰ کو بذریعہ وحی توحید الٰہی کی اشاعت اور پیغامِ امن پہنچانے کا حکم ہوا۔ آپ نے اعلانِ نبوّت فرمایا اور دعوتِ اسلام دی۔

سبقتِ اسلام سب سے پہلے آپ کی شریکۂ زندگی حضرت خدیجہ نے جو آپ کی دیانت و امانت، راستی اور راستبازی، حق گوئی اور حق پسندی کو سب سے زیادہ قریب سے دیکھنے والی تھیں آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ اس کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علی نے جنہوں نے دس برس تک آپ کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی

کی رسالت کی تصدیق کی ؎

مسلم اول شہ مرداں علی عشق را سرمایۂ ایماں علی

(علامہ اقبال)

انگلستان کے شہرۂ آفاق مورخ ایڈورڈ گبن نے اس واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :-

ایک نوجوان ہیرو کی سی ہمت و جرأت کے ساتھ آپ کے خیالات کی صداقت کا اعتراف کیا[۳]

حضرت علیؑ کے بعد سرکار رسالتؐ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ نے حضور کی دعوت پر لبیک کہا[۴]

پھر کہا جاتا ہے کہ اسی زمانے میں حضرت ابوبکر اسلام لائے۔ مگر طبری کی ایک روایت میں ہے۔

محمد بن سعید ناقل ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ کہ آپ لوگوں میں حضرت ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے۔ انھوں نے کہا نہیں، ان سے قبل پچاس آدمیوں سے زیادہ اسلام لاچکے تھے[۵]

ارجح المطالب سبل امرتسری ص ۳۹۲ - تقریب التہذیب ابن حجر عسقلانی ص ۲۸۳ روضۃ الاحباب جلد اول، اعجاز التنزیل ص ۳۹ و ص ۴۰

History of Decline and Fall of Roman Empire

طبری ص ۱۱۲۸ و سیرت ابن ہشام

تاریخ طبری

بہرکیف حضرت علی اور زید بن حارثہ کے بعد مکہ کے چند مشہور افراد
ابوبکر حضرت عثمان، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عمار یاسر وغیرہ نے
اسلام کا رُخ کیا۔

دعوتِ ذوالعشیرہ

بعثت سے تین برس تک رسول اللہ مخفی طو
تبلیغ فرماتے رہے[1]۔ لوگ ڈھکے چھپے مسلما
ہوتے رہے۔ تین برس کے بعد آپ کو اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت
کا حکم ہوا۔ یہ واقعہ دعوت ذوالعشیرہ کے نام سے مشہور ہے۔
آپ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا اور کھانا کھلانے کے بعد ان
طرح خطاب فرمایا:-
"اے اولادِ عبدالمطلب! جس خدا نے تم کو افضل ترین نعمتیں عطا کی
ہیں۔ اس کے نام سے تم لوگوں کو میں اس دنیا کی برکتیں اور آئندہ
کی تمام خوشیاں بخشتا ہوں۔ پس تم میں سے کون میری تائید
کرکے میرا بھائی، میرا جانشین، میرا وزیر بننا پسند کرتا ہے۔"
سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔ بعض لوگ تعجب کرتے اور
تمسخر کرتے تھے۔" آخر حضرت علی نے اپنی جوانانہ دلیری کے سا
پیغمبر کے حضور میں عرض کیا۔" حضور میں حاضر ہوں" سرکار رسالت
نے اپنے ہاتھ اس جوان کی گردن میں ڈال دیئے۔ اور اسے اپنے
سینہ سے لگا کر آواز بلند فرمایا کہ تم سب لوگ میرے بھائی

۳ بار بٹھا دیا
تیسری بار پھر
قبول کیا

---

[1] تاریخ طبری

میرے وزیر میرے جانشین کو دیکھ لو۔ اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ نوجوان علی کی اس جرأت و مستعدی پر قریش نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کم سن خلیفہ کے باپ ابوطالب کو اپنے بیٹے کے سامنے جھکنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے پر ملامت کی۔

دعوتِ عام، قریش کی مخالفت اور حضرت ابوطالب کی حمایت

اب رسول اللہ نے دعوتِ اسلام عام کر دی۔ بُت پرست کلمۂ توحید سننے لگے۔ انسانی ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے انسان مساوات کی دعوت لبیک کہتے گئے۔ توحید کا ڈنکا بجنے لگا۔ بُت پرستی مٹنے لگی سرمایہ داری کی برائیاں دور ہونے لگیں۔ اسلام کی ترقی کو کفارِ قریش برداشت نہ کر سکے۔ ان مخالفت کرنے والوں میں چند مشاہیر قریش اور قریش کے چند

ے واشنگٹن ارون کی مشہور کتاب Successors of Muhammad۔

ن ڈیون پورٹ کی مشہور کتاب Apology for Muhammad and his Holy Quran

گبن کی مشہور کتاب History of Decline and fall of Roman Empire۔

در اسلامی کتب میں یہ واقعہ بالفاظ مختلف موجود ہے۔ دیکھو تفسیر خازن، تفسیر سراج المنیر تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی، تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن ابی حاتم، کنز العمال، دلائل النبوۃ حلیۃ الاولیاء، ذخیرۃ المآل عجیلی، مختار ضیا مقدسی، تہذیب الآثار، تاریخ طبری ب الاکتفا۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ تاریخ ابوالفدا، روضۃ الصفا، حبیب السیر رج النبوۃ۔ ازالۃ الخفا، معارج النبوۃ

خاص قبیلے آگے آگے تھے۔

ابو جہل۔ جو قبیلہ قریش کا ایک ہٹ دھرم سردار تھا۔

ابو لہب۔ رسول اللہؐ کا چچا۔ سوتیلا

ابو سفیان۔ بنو امیہ کا سردار اور اس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ سب سے

زیادہ جس قبیلہ نے مخالفت کی وہ بنی امیہ تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی

ہیں :۔

آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے رقیب (ہاشم)

کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے

آنحضرتؐ کی مخالفت کی[1]

بنو امیہ، بنو المغیرہ، بنو مخذوم۔ رسول اللہؐ کے سب سے

مخالف قبیلے بنو امیہ، بنو المغیرہ اور بنو مخذوم تھے۔ بنی مخذ

کو بھی بنی ہاشم سے مخالفت تھی۔ ولید بن مغیرہ اس خاندان کا

تھا۔ یہ خالد کا باپ اور ابو جہل کا چچا تھا۔ ان قبائل کے متع

رسول اللہ نے خود فرمایا ہے :۔

"ہم سے سب سے زیادہ بغض و عداوت رکھنے والی قوم

بنو امیہ، بنو مغیرہ اور بنی مخذوم ہے[2]"

قریش کی شدید مخالفت میں حضرت ابو طالبؑ ہر طرح سے رسول

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۵۸

[2] نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۶، تطہیر الجنان ابن حجر مکی صفحہ ۱۴۳

کے مددگار اور معاون تھے۔ قریش کے مذموم ارادوں کی راہ میں حضرت ابو طالبؑ کا وقار، اثرواقتدار رکاوٹ تھا۔ ابو طالبؑ رسول اللہؐ کے لئے سپر بنے ہوئے تھے۔ کفار مکہ کی پیش نہیں جاتی تھی۔ آخر وہ ایک وفد کی صورت میں حضرت ابو طالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ہمارے مذہب کی مذمت سے باز آجائے۔ حضرت ابو طالبؑ نے اس وفد کی معروضات کو خدمت رسالتؐ میں پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تو میں پھر بھی اپنے مقصد سے باز نہیں آؤں گا۔ یا تو یہ دین پھیلے گا یا اس مقصد کے لئے میری جان جائیگی"

بھتیجے کے اس عزم و استقلال کو دیکھ کر حضرت ابو طالبؑ نے کہا "بیٹا! تم اپنا کام کئے جاؤ۔ یہ لوگ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے"

کفارِ قریش کی پیشکش

کفارِ قریش نے سرکارِ رسالتؐ کو جدوجہد سے روکنے کے لئے ایک اور چال چلی۔ عتبہ کو جو کہ ایک باوقار سردار تھا۔ آپ کے پاس بھیجا۔ عتبہ نے حضور سے عرض کیا۔

"اے محمدؐ! قوم میں پھوٹ ڈلوانے سے کیا فائدہ۔ اگر آپ کا مقصد ہمارے مذہب کی مخالفت سے سرداری حاصل کرنا ہے

تو ہم سب متفق ہو کر آپ کو سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر آپ کو کسی بڑے گھرانے کی خوبصورت عورت سے نکاح کرنا ہے تو ہم اس کا انتظام کر دیتے ہیں۔ اگر آپ دولت مند بننا چاہتے ہیں تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر آپ ہمارے مذہب کی مخالفت ترک کر دیں"

رسول اللہ نے عتبہ کو خلافِ امید جواب دیا۔ اور اسے قرآنِ حکیم کی چند آیات سنائیں۔ جن سے متاثر ہو کر عتبہ لوٹا اور کفارِ قریش کو مشورہ دیا کہ وہ حضورؐ کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ مگر وہ ایسی بات کہاں مانتے تھے۔

کونسی سنائیں

کفارِ قریش کے مظالم

اس کے بعد کفارِ قریش نے مسلمانوں پر ایسے مظالم برپا کئے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت یاسرؓ جو مکہ کے ایک مفلس مسلمان تھے ان مظالم کو برداشت کرتے کرتے دنیا سے چل بسے۔ ان کی بیوی حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے برچھی مار کر شہید کر دیا۔ ان کے بیٹے عمارؓ اسی قسم کے مظالم کا تختۂ مشق تھے۔ حضرت خباب بن الارتؓ پر بھی انتہائی سختیاں کیں ایک روز انہیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا۔ اور جب تک وہ ٹھنڈے نہ ہو گئے انہیں نہ چھوڑا۔ حضرت بلالؓ حبشی مؤذن اور حضرت صہیب رومی کو عرب کی جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے تھے۔ اور ان کی چھاتی پر تپتے ہوئے پتھر رکھ دیتے تھے۔ اس پر ان کی زبان پر احد، احد کے کلمات جاری رہتے تھے۔ حضرت زنیرہؓ جو کہ ایک مسلمان کنیز تھیں

ابوجہل نے ان کی آنکھیں نکال دیں۔ ان سختیوں پر رسول اللہ ہمیشہ انہیں تسلی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم لوگ اللہ کی رحمت کے منتظر رہو۔

سوالات

۱۔ آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام پر سب سے پہلے کن تین افراد نے تصدیقِ رسالت کی اور پھر کون کون اسلام لایا؟

۲۔ دعوتِ ذوالعشیرہ سے کیا مراد ہے؟ اور واقعہ کی تفصیل بیان کیجئے۔

۳۔ قریش کی مخالفت اور حضرت ابو طالبؑ کی حمایت کا حال بیان کیجئے۔

۴۔ سرکارِ رسالت اور اسلام کے شدید ترین مخالف کون کون سے قبائل تھے۔

۵۔ کفار قریش کی پیش کش اور سرکار رسالتؐ کا اس پر ردِعمل بیان کیجئے۔

۶۔ کفارِ قریش کے وفد کے معروضات کو حضرت ابو طالبؑ نے جب پیش کیا تو سرکارِ رسالتؐ نے کیا جواب دیا اور اس پر حضرت ابو طالبؑ نے کیا کہا؟

۷۔ مسلمانوں پر کفارِ قریش کے مظالم کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

چھٹا باب

ہجرتِ حبشہ، معاشرتی بائیکاٹ، شعب ابی طالب میں نظربندی، حضرت ابوطالبؓ اور حضرت خدیجہؓ کی وفات، سفرِ طائف

۵ سالِ نبوت سے ۱۰ سالِ نبوت تک

پہلی ہجرتِ حبشہ مسلمانوں پر انتہائی سختیاں ہو رہی تھیں، رسول اللہؐ کا دل انتہائی درد و غم کے جذبات لئے ہوئے تھا۔ اس لئے آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مشورہ دیا کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ میں چلے جائیں جہاں کا عیسائی بادشاہ نجاشی نہایت نیک دل اور روادار تھا۔ چنانچہ حضورؐ کے اس ارشاد پر مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں بارہ ۱۲ مرد اور چار ۴ عورتیں تھیں ۵ سالِ نبوت رات کے وقت روانہ ہوا اور شعیبہ کی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر حبشہ پہنچا۔ یہ قافلہ حضرت عثمانؓ کی سرپرستی میں روانہ ہوا اور تین مہینے حبشہ میں مقیم رہا۔ اس زمانہ میں انہیں غلط افواہ ملی کہ اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے یہ لوگ واپس آئے مکہ کے قریب پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ یہ خبر غلط ہے

یہ لوگ بڑی مشکل سے چھپ چھپا کر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔

دوسری ہجرت حبشہ

۵ھ سال نبوت میں پہلی ہجرت حبشہ ہوئی اور مسلمان حبشہ کے تین مہینے کے قیام میں اہلِ حبشہ کی رواداری اور حکومت حبشہ کی عدالت کا تجربہ کر چکے تھے۔ اس سرزمین پر انھیں آزادی مذہب بھی حاصل تھی اور ہر طرح سہولتیں بھی مہیا تھیں۔ اس لئے ۶ھ سال نبوت میں کفارِ مکہ کے ظلم وجور سے تنگ آئے ہوئے مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا پھر مشورہ دیا۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والے قافلہ میں ۸۳ مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں یہ قافلہ حضرت جعفرؓ ابن ابی طالبؓ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ کفارِ قریش نے اس قافلہ کا تعاقب کیا۔ مگر کفار کے پہنچنے سے پہلے یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہو چکے تھے۔ اس لئے کفار کے پنجے سے نکل کر محفوظ حبشہ میں پہنچ گئے۔ حبشہ میں انہیں امن و آزادی نصیب ہوئی اور یہ اچھی فضا میں اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن مسلمان مہاجرین کے اس اطمینان کو کفارِ قریش برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحفے تحائف دے کر نجاشی کے دربار میں بھیجا اس وفد نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد اپنے معروضات پیش کئے اور کہا کہ مکہ کے کچھ شریر لوگ مکہ سے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ لے چکے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ انہیں ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ نجاشی نے کہا جب تک ہم دوسرے فریق کی بات نہ سن لیں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت جعفر

کے بھائی اور مہاجرین کے سالار حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ دربار میں بلائے گئے۔ جب حضرت جعفرؓ مع جماعت مہاجرین حاضر دربار ہوئے تو نجاشی نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کے اصول و عقائد کیا ہیں اور آپ کے ملک والے آپ کے خلاف کیوں ہیں۔ حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی :-

"اے بادشاہ! ہمارے ملک کے لوگ جاہل تھے، مردار کھاتے تھے اور بیہودہ بکا کرتے تھے۔ ان میں انسانیت نہ تھی اور یہ بھی ہمدردی مہمانداری اور ہمسایہ کے حقوق سے ناآشنا تھے۔ کسی قانون و قاعدہ کے پابند نہیں تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالےٰ نے اپنے انتہائی فضل و کرم سے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کی امانت و دیانت، صدق وصفا، حسب و نسب، زہد و تقویٰ سے ہم اچھی طرح واقف تھے اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی اور شرک اور بت پرستی کی گمراہی سے نکالا۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، وعدہ وفا کرنے، گناہوں سے بچنے، نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ ہمارا قصور صرف یہی ہے کہ ہم اس خدا کے سچے نبی پر ایمان لائے ہیں۔ اس جرم میں ہماری قوم ہم پر سختی اور تشدد کرنے پر تل گئی ہے۔ ہماری قوم چاہتی ہے کہ ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت ترک کر کے پتھر مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کی پرستش شروع کر دیں۔ اُن کے جور و جفا سے بچنے کے لئے ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی ہے۔"

اس تقریر کا نجاشی پر بہت اثر ہوا اور اس نے اس کلام خدا کے سننے کی تمنا کا اظہار کیا جو رسول اللہؐ پر نازل ہوا تھا۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریمؑ کی تلاوت فرمائی۔ نجاشی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے رسول اللہؐ کی صداقت کا اعتراف کیا اور کہا "بیشک حضرت محمدؐ وہی رسول ہیں جن کے تشریف لانے کی یسوع مسیحؑ نے خبر دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں ان کے زمانہ میں ہوں۔"

اس پر کفارِ مکہ کو نہایت مایوسی سے واپس لوٹنا پڑا۔ مسلمان ایک عرصہ تک حبشہ میں آباد رہے اور نہایت امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ۷ھ میں فتح خیبر کے دن یہ مہاجرین مدینہ میں واپس آئے۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

۶ سالِ نبوت کے واقعات میں ایک عجیب واقعہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا ہے۔ حضرت عمرؓ طبیعت کے بہت سخت تھے۔ شروع میں وہ اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، وہ نہایت غیظ و غضب میں سرکارِ رسالتؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے۔ ہاتھ میں تلوار کھنچی ہوئی تھی۔ جب سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں پہنچے تو سرِ تسلیم خم کر لیا اور کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

معاشرتی بائیکاٹ شعب ابی طالب میں رسول اللہؐ کی نظر بندی

۷ سالِ نبوت میں ہی مشرکینِ قریش کی سختی بڑھ گئی۔ قریش

نے جمع ہو کر ایک معاہدہ لکھا جس کی بنا پر بنو ہاشم سے ہر قسم کا میل جول چھوڑ
یہ سوشل بائیکاٹ تین برس تک جاری رہا۔ ان دنوں میں حضرت ابوطالب ا
حضرت خدیجہؓ کی تمام دولت صرف ہو گئی۔ بنو ہاشم شعب ابی طالب
گھرے ہوئے تھے۔ اس نظربندی کے زمانہ میں ضروریاتِ زندگی بہم پہنچا
حضرت علی مرتضیٰؑ کے سپرد تھا جو مکہ کے گرد و نواح کی آبادیوں میں
تک نکل جاتے تھے۔ گیہوں اور کھجوریں جو کچھ میسر آتا اپنی پیٹھ پر رکھ کر ا
تھے۔ شعبِ ابی طالب کے دروازہ پر حضرت ابوطالب پہرہ دیتے
اس لیے اندر آنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابوطالب ا
سرکارِ رسالتؐ کی زندگی کی ہر وقت فکر تھی۔ جس بستر پر رسول اللہؐ سو
تھے کچھ رات گزرے انہیں اس بستر پر کبھی پر علیؑ سوئے تھے لٹکے
کچھ اور وقت گزرتا تو بستر بدل دیتے تھے جہاں جعفرؑ سوئے تھے،
رسول اللہؐ کو سلاتے۔ پھر رات کے تیسرے پہر میں رسول اللہؐ
سونے کی جگہ بدلتے، حضرت عقیلؑ کی جگہ حضورؐ کو سلاتے۔ اس
غرض یہ تھی کہ میرے تینوں بیٹے قتل ہو جائیں پرواہ نہیں، مگر اللہ کا
زندہ و سلامت رہے۔ مگر آخر میں حالت یہ ہو گئی کہ بنی ہاشم
بچے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے کہ ان کے رونے
آوازیں گھاٹی کے پار شہر مکہ تک پہنچتی تھیں۔ سنگ دل قریش سنتے
اور ہنستے تھے۔ زندگی اکثر فاقوں میں گزرتی تھی یا درختوں کے پتوں
پر گذارہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی خوراک پہنچانے کی کوشش کرتا تھا تو کفار

چھین لیتے تھے۔

لیکن تعجب ہے کہ اس وقت تک بہت سے مالدار حضرات مسلمان ہو چکے تھے پھر بھی کسی کی مالی امداد کا تذکرہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ بھلا کہاں اس وقت سے بڑھ کر رسول اللہؐ کی مالی امداد کا کون سا وقت تھا؟

بعثت کے دسویں سال یہ سوشل بائیکاٹ اس وقت ختم ہوا جبکہ اس معاہدہ کو جو خانہ کعبہ میں لٹکا ہوا تھا دیمک چاٹ گئی۔

غم کا سال

بعثت کے دسویں سال آپ کے شفیق اور نگہبان چچا کا انتقال ہوا۔ ابھی یہ صدمہ تازہ تھا کہ آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ طاہرہؓ وفات پا گئیں۔ حضرت ابوطالبؑ کا وقار رسول اللہؐ کے لئے سپر تھا، پھر کیا تھا مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حضورؐ شفیق چچا کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے۔

چچا جان! آپ کے بعد جو مصیبت مجھ پر آنے والی تھی کیسی جلد آپڑی۔ چنانچہ ان دو صدموں کی وجہ سے یہ سال "عام الحزن" غم کا سال کہلاتا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ کی وفات کا اثر

جب بنی امیہ نے یہ دیکھا، کہ حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہو گیا جن کا اثر قریش پر تھا اور اس سے وہ ایک محدود جگہ پڑے ہوئے تھے، مگر اب انہوں نے میدان خالی پایا اور اسلام کے مٹانے سے استیصال کے درپے ہو گئے اور نبیؐ

---

[1] حضرت عمر کے اسلام لانے کو اسلام کے وقار بڑھ جانے کی دلیل قرار دیا جاتا ہے حالانکہ واقعات اس کے برعکس ہیں۔ رسول اللہؐ کے خاندان کا بائیکاٹ اسی سال ہوا جس سال حضرت عمر نے اسلام کا اعلان فرمایا تھا اور اس زمانہ میں رسول اللہؐ کے مصائب بہت بڑھ گئے تھے۔

[2] طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۹، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲، اسنی المطالب صفحہ ۲۸

طرح سے پھر ان کے حسد اور دشمنی اور غصہ کی آگ بھڑکی۔ چنانچہ وہ اپنی نئی مخالفت پر آمادہ ہوئے اور ہاشمیوں کو ستانے کی نئی نئی تدبیریں ہونے لگیں۔[1]

سفرِ طائف اہلِ مکہ کے مظالم جاری تھے۔ رسول اللہؐ نے چاہا کہ تبلیغ کے لئے مکہ سے باہر مواقع تلاش کئے جائیں۔ چنانچہ آپ نے ارادہ کیا کہ طائف میں تبلیغ کی جائے۔ طائف مکہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک بارونق اور زرخیز بستی ہے۔ آپ طائف میں تشریف لے گئے اور وہاں کے اکابر کو توحید و مساوات کا پیغام دیا۔ مگر انہوں نے توجہ نہ کی بلکہ آپؐ پر پتھر برسائے جس سے آپ اس قدر زخمی ہوئے کہ سر سے خون بہہ کر ایڑیوں تک پہنچ گیا اور حضرت لہولہان ہو گئے۔ اس قدر اذیت پر بھی حضور نے انہیں بددعا نہیں دی۔ معصومۂ کونین حضرت فاطمہ زہراؑ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں یہ سب سے زیادہ الم کا دن تھا۔

سوالات

۱۔ پہلی ہجرتِ حبشہ کس سال ہوئی؟ اس کا سبب کیا تھا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

۲۔ دوسری ہجرتِ حبشہ کا سبب کیا ہوا؟ اس میں کفارِ قریش

---

[1] سیرت محمدیہ ص ۲۱۹ مؤلفہ مرزا حیرت دہلوی

نے کیا کیا اور اس ہجرت کا کیا نتیجہ ہوا؟

۳۔ دربارِ نجاشی شاہِ حبشہ میں جو تقریر حضرت جعفر ابن ابیطالبؑ نے فرمائی تھی اسے بیان کیجئے۔ اس تقریر کا اثر کیا ہوا؟

۴۔ حضرت عمر نے کس سال میں کس طرح اسلام قبول کیا؟

۵۔ شعب ابی طالب کے معاشرتی بائیکاٹ کے اسباب بیان کیجئے اور بتلائیے کہ رسول اللہؐ کی یہ نظر بندی حضرت عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہوئی یا بعد، اور کتنے عرصہ بعد ہوئی؟

۶۔ شعب ابی طالب میں حضرت ابو طالب، ان کے فرزند ارجمند حضرت علی اور محسنۂ اسلام حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی خدمات کا تذکرہ کیجئے۔

۷۔ شعب ابی طالب کے سوشل بائیکاٹ سے پہلے کون کون سے مشاہیر اسلام لاچکے تھے۔ اس سوشل بائیکاٹ میں سرکار رسالتؐ کے خاندان کی کیا حالت تھی۔ مشاہیرِ اسلام میں سے کس کس نے کیا کیا مدد کی؟

۸۔ غم کے سال سے کیا مراد ہے۔ اسے غم کا سال کیوں کہتے ہیں؟

۹۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد اسلام پر کیا اثرات پڑے؟

۱۰۔ واقعہ سفرِ طائف اور اس کے نتیجہ کو بیان کیجئے۔

ساتواں باب

ہجرت مدینہ ۶۲۲ء

اب سرکارِ رسالتؐ نے مکہ کے باہر تبلیغی تقریریں شروع کیں۔ آپؐ عکاظ اور ذی المجاز کے میلوں میں تشریف لے جاتے اور خلقِ خدا کو الٰہی پیغام سناتے تھے۔ آپؐ کی ان تقریروں سے عرب کے باشندے اسلام کی تحریک سے واقف ہو گئے۔ ان تقریروں کا بہترین موقعہ حج کے اجتماعات تھے۔

اہل یثرب (مدینہ) میں تبلیغ ۶۲۱ء میں یثرب کے اوس و خزرج کے قبیلوں کے چھ آدمی مکہ آئے ہوئے تھے۔ مکہ کے قریب پہاڑوں میں ایک مقام عقبہ تھا۔ وہاں ان کی رسول اللہؐ سے ملاقات ہوئی۔ حضورؐ نے انہیں کچھ آیات قرآن سنائیں اور اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا۔ یہ چھ کے چھ سعادت مند مسلمان ہو گئے۔

بیعت عقبہ اولیٰ جب یثرب کے یہ چھ آدمی اپنے وطن پہنچے تو انہوں نے تعلیمات اسلام کا چرچا اپنے شہر میں کیا۔ اسی سال حج کے موقعہ پر یثرب کے بارہ آدمی آئے اور وہ عقبہ کے مقام پر خدمتِ سرکارِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے تعلیمات اسلام کو سن کر مسلمان ہو گئے انہوں نے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور

ہے۔ ان لوگوں نے جو عہد رسول اللہؐ سے کیا اس کے الفاظ یہ تھے :۔

"ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھرائیں گے۔ نہ چوری کریں گے نہ زنا اور نہ دختر کشی کریں گے نہ کسی پر تہمت لگائیں گے اور نہ غیبت کریں گے۔ رسول اللہؐ کے ارشادات کی تعمیل کریں گے اور مسرت و غم میں حضورؐ کے وفادار رہیں گے"

سرکار رسالتؐ نے مصعب بن عمیر کو ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا۔ تاکہ وہ مدینہ میں تبلیغ اسلام کریں۔ انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی اور ایک سال میں یثرب کے اکثر خاندانوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔

بیعت عقبۂ ثانیہ

اگلے سال ۶۲۲ء میں یثرب سے ۷۵ مسلمانوں کا ایک قافلہ مکہ میں آیا۔ یہ رات کی تاریکی میں عقبہ ہی کے مقام پر خدمت سرکار رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اور حضورؐ کو مدینہ میں آنے کی دعوت دی۔ اس وقت رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباس آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے دعوت دینے والوں سے فرمایا۔

"حضرت محمدؐ اپنے خاندان میں بہت معزز و ممتاز ہیں۔ ان کے رشتہ داروں نے دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ ان کا ساتھ دیا ہے۔ اگر تم بھی مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو انہیں لے جاؤ۔ ورنہ اس ارادہ کو ترک کر دو۔"

اس پر ایک یثربی سردار براء بن معرور نے کہا۔

"ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں"

وہ اسی قدر کہہ سکے تھے کہ ان کی بات کاٹ کر دوسرے سردار ابو الہیثم نے کہا۔

"یا رسول اللہ! ایسا نہ ہو کہ اسلام کو قوت حاصل ہو اور آپ پھر یثرب سے مکہ چلے آئیں۔"

اس پر سرکارِ رسالتؐ نے مسکرا کر فرمایا:۔

"تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔"

ہجرت

جب مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور وہاں اسلام روز افزوں ترقی کرنے لگا تو حضورؐ نے بحکمِ الٰہی مسلمانوں سے جو مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ گئے تھے ارشاد فرمایا۔

"تم یثرب ہجرت کر کے چلے جاؤ۔" اس ارشاد پر مسلمان دو دو تین تین کر کے یثرب چلے گئے۔

دارالندوہ اور حضورؐ کی روانگی

جب قریشِ مکہ نے دیکھا کہ یثرب میں اسلام کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور اللہ کا دین روز افزوں ترقی کر رہا ہے تو انہوں نے دارالندوہ (کونسل ہال) میں بزمِ مشاورت قائم کی جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ، ابوسفیان، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابوالبختری وغیرہ وغیرہ جمع ہوئے۔ ایک بڈھا نجدی بھی اس مجمع میں موجود تھا۔ محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداء کے قتل یا قید کی تجویزیں پیش ہونے لگیں۔ آخر ابوجہل کی تجویز اور اس نجدی شیطان کی تائید پر یہ قرار پایا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص چُنا جائے اور پھر یہ تمام اشخاص ایک ساتھ مل کر تلواروں کے ساتھ حملہ کریں اور سرکارِ رسالتؐ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اس صورت میں بنی ہاشم اگر بدلہ لینے کے لئے اٹھے تو انہیں تمام قبائل عرب سے لڑنا پڑے گا اور وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور خون بہا کی صورت میں بار کسی ایک قبیلہ

پر نہیں پڑے گا۔ اس تجویز پر انھوں نے سورج غروب ہوتے ہی خانۂ رسالت کا محاصرہ
کر لیا۔ اللہ نے اپنے حبیب کو کافروں کی اس سازش سے مطلع فرمایا اور حکم دیا
کہ تم اپنے فدائی اور جان نثار بھائی علی مرتضیٰؑ کو اپنی چادر اوڑھا کر اپنے بستر پر
سلا دو اور خود یثرب کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اس فرمانِ الٰہی کے مطابق رسول اللہؐ
نے علی مرتضیٰؑ سے فرمایا۔ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے پس آج تم میرے بستر پر لیٹو
تاکہ دشمنوں کو یہ گمان رہے کہ میں اپنے بستر پر پڑا ہوں اور پھر صبح کو ان کافروں کی امانتیں
جو ہمارے پاس ہیں ان کو واپس دے کر تم یہاں سے چل پڑنا اور ہم سے آملنا۔[1]
سرکارِ رسالتؐ حضرت علیؑ کو بستر پر لٹا کر خود سورۂ یٰسین پڑھتے نہایت اطمینان
سے ان کافروں کے بیچ میں سے اس طرح نکل گئے کہ کسی نے بھی نہ دیکھا۔

شبِ ہجرت علی مرتضیٰؑ کا بسترِ رسالت پر سونا

اللہ کا ولی رسول اللہ کا جان نثار علیؑ بوقتِ
بسترِ رسول پر سویا۔ اللہ نے اس واقعہ کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔ ومن الناس من یشری
نفسہ ابتغاء مرضات اللہ[2] "انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کی
رضا میں اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں۔" جبرئیل و میکائیل پائنتی سرہانے
کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں مبارک ہو، مبارک ہو اے ابو طالبؑ کے
بیٹے اللہ تمہاری اس جان نثاری سے فرشتوں پر فخر و مباہات کر

۱؎ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۔۵۰ ۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۳ ابن خلدون
جلد ۲ صفحہ ۸ ۲؎ سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۰۷

رہا ہے۔[1]

علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

رسول اللہ سے قریش کو حد درجہ عداوت تھی۔ تاہم آپ کی دیانت پر یہ
تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لاتا
تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ا
کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا مجھ کو ہجرت کا حکم
ہے۔ میں آج مدینہ کو روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر
رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع
جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج
اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی سرزمین ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ
گل تھا۔[2]

یہ ظاہر ہے کہ امانتوں کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ تھا۔ صرف اشارہ
علی جانتے تھے کہ کس کس کی امانت ہے اور کس کس قدر ہے۔ اس سے معلو
کہ علی رسول اللہ کے رازدار تھے۔ معاملات میں شریک تھے اور نائب
حیثیت سے ہمیشہ کام کرتے تھے۔

---

[1] احیاء العلوم غزالی ارجح المطالب ص۵۰۔ حلیۃ الاولیا۔ تفسیر کبیر جلد ۲ ص۴۳
در منثور سیوطی۔ اسد الغابہ۔ تاریخ احمدی ص۲۵۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص۹۷
مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۲۔ وسیلۃ النجاۃ ص۳۰۔ معارج النبوۃ رکن چہارم ص۳۔ تذکرہ خواص
ص۲۹۔ فصول المہمہ ص۳۳۔ نور الابصار ص۱۲۸ و ۱۲۹ [2] سیرۃ النبی ص۱۹۰

اس واقعہ کو عیسائی مورخ گبن اس طرح لکھتا ہے:-

اگرچہ قاتل دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے مگر وہ دھوکے میں آ کر علیؑ کو محمدؐ سمجھے، جو رسولؐ کے بستر پر اسی کی سبز چادر اوڑھے سو رہا تھا۔[1]

حضرت علیؑ نہایت اطمینان سے بستر رسالت پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے کچھ اشعار میں جو خود انشا فرمائے تھے۔ اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے:-

۱۔ "میں نے اپنی جان کے عوض اس عالی مرتبہ شخص کو بچایا جو پاؤں سے کنکریوں کو روندنے والے اور خدا کے پرانے گھر اور حجر اسود کا طواف کرنے والوں میں سب سے افضل ہیں۔"

۲۔ "خدا کے رسولؐ کو اندیشہ ہوا کہ دشمن اس کو ستائیں گے۔ پس خدا نے جو بڑی قدرت والا ہے اپنے پیغمبر کو ان کے شر سے بچا لیا۔"

۳۔ "پس رسول اللہؐ نے غار میں امن سے وہ رات گزاری۔ دشمنوں سے بچے رہے اور خدا کی حفاظت اور اس کے حجاب قدرت میں امن و امان حاصل کی۔"

۴۔ "تین دن وہاں ٹھہرے، پھر ناقوں کو مہاریں دی گئیں جو ایسے تیز رفتار اور سبک رو تھے کہ ہر طرف پتھروں اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے۔"

۵۔ "اور میں نے دشمنوں کے حملے کے انتظار میں رات کاٹی۔ مگر وہ سب مجھے

---

[1] تاریخ زوال سلطنت روم

زخمی و گرفتار نہ کر سکے۔ کیونکہ بلاشبہ قتل و قید سے، نہ ڈرنا میری
عادت ہے"

۶۔ "یہ میں نے ہر چیز سے قطع نظر کر کے محض دینِ خدا کی امداد کی نیت سے
ایسا کیا ہے اور آئندہ بھی یہی ٹھان لی ہے کہ جب تک قبر میں تکیہ
نہ لیٹوں"[۱]

جناب امیر علی ابن ابی طالب ؑ نے اس موقعہ پر عہد کیا تھا کہ وہ نفس
اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دینِ خدا کی اسی طرح مدد کرتے رہیں گے۔ دنیا جانتی
کہ حضرت علی ؑ نے اس عہد کو اس شان سے نبھایا کہ اس کی مثال
میں نہیں ملتی۔

حضرت ابوبکر کی واقعۂ ہجرت میں شمولیت

جب حضرت
اس طرح بستر
پر سو رہے تھے تو حضرت ابوبکر، علی کے پاس آئے اور سرکارِ رسالت
متعلق دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا رسول اللہ ؐ تو غارِ ثور کو تشریف
گئے ہیں اور اگر تمہیں ضرورت ہے تو اُن سے جا ملو۔ پس ابوبکر تیز روی سے
ہوئے اور رسول اللہ ؐ سے راستے میں مل گئے۔ رسول اللہ ؐ نے اندھیرے
میں ابوبکر کے پاؤں کی آہٹ سن کر خیال فرمایا کہ مشرکین میں سے کوئی

[۱] تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۲۶، مدارج النبوۃ صفحہ ۲، معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ
نور الابصار صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹، فصول المہمہ صفحہ ۳۳، تذکرہ خواص الامہ، روضۃ
مواہب لدنیہ، ناسخ التواریخ۔

ہا ہے۔ اس پر رسول اللہ نے اپنی رفتار کو تیز فرمایا۔ جلدی جلدی چلنے سے
آپ کی نعل مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ پائے مبارک کا انگوٹھا پتھر لگ کر زخمی ہو
۔ خون بہت جاری ہوا۔ آنحضرت نے رفتار میں اور جلدی فرمائی۔ ابوبکر
خوف ہوا کہ رسول اللہ پر شاق ہوگا۔ اپنی آواز بلند کی اور کلام کیا۔ پس
رسول اللہ نے پہچانا اور ٹھہر گئے۔ پس ابوبکر آملے اور دونوں چل پڑے۔ اور
رسول اللہ کے پائے اقدس سے خون جاری تھا۔ صبح تک غار میں پہنچے اور
میں داخل ہوئے۔[1]

غارِ ثور کا واقعہ

مسٹر گبن لکھتے ہیں :۔

قریش کے لوگوں نے (حضرت) محمد کی تلاش میں
مکہ کی تمام جگہیں چھان ڈالیں اور اس غار پر پہنچے جس میں وہ خود اور ان کا
ساتھی چھپے ہوئے تھے۔ مگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکڑی کے جالے
اور کبوتر کے گھونسلے نے جو خدا نے کافروں کی نگاہ سے بچانے کے
لئے پیدا کر دیا تھا ان کو یہ یقین دلایا کہ اس جگہ کوئی نہیں ہے۔ اور نہ
وہاں کوئی آیا ہے۔ ابوبکر نے خوف سے کانپ کر کہا ہم تو صرف دو ہی
ہیں۔ مگر (حضرت) محمد نے کہا نہیں ہمارے ساتھ ایک تیسرا بھی ہے
اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔[2]

قرآن حکیم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ واقعہ ہجرت۔ تفسیر در منثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۴۰ (سورۂ توبہ)
[2] تاریخ زوال سلطنتِ روم۔

لقد نصرہُ اللہ اذ اخرجہُ الذین کفروا ثانی اثنین
اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ
فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ (التوبہ)

"خدا نے اپنے رسول کی مدد کی جب کافروں نے اس کو نکال دیا اور جب
وہ غار میں تھے تو دو میں کے دوسرے تھے پس وہ اپنے ساتھی سے
تھے۔ غم نہ کرو۔ بیشک خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پس خدا نے اپنا سکینہ
اس پر یعنی پیغمبر پر نازل کیا۔"

آنحضرت ؐ اور ابوبکر تین دن تک غار میں مقیم رہے۔ ان ایام میں عامر
لے کر آیا کرتا تھا۔ اور علی سامان سفر کا انتظام فرماتے تھے۔ پس حضرت علی نے
اونٹوں میں سے تین اونٹ خرید فرمائے اور ان کے لئے ایک دلیل یعنی
پر مقرر کیا۔ جبکہ تیسری رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو علی اونٹ لے کر آئے پس
اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور ابوبکر اپنے پر اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے

حضرت ابوبکر کے اونٹ

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جن
رسول اللہ ؐ سوار ہو کر مدینہ کی طرف
ہوئے وہ ابوبکر کے اونٹ تھے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے :

حضرت ابوبکر کے دو اونٹ تھے جن کو انہوں نے چار سو درہم
روایت کی رو سے آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔ اور چار مہینے تک چارہ
کر خوب تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس موقع پر دونوں کو رسول اللہ

لہ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۴ (سورہ توبہ)

ت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں انھیں قیمت دے کر قبول کر سکتا
۔پس نو سو درہم میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر سے ایک ناقہ خرید لیا۔[1]
اس خرید و فروخت کا ذکر کر کے شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کی حکمت
الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی
میں کسی شخص کی امداد و اعانت کو قبول فرمائیں۔
س ایک ناقہ پر رسولِ خداؐ اور ایک ناقہ پر حضرت ابوبکر سوار ہو کر مدینہ
طرف روانہ ہو گئے۔

ب ہجرت کفار اور علیؑ

اس طرف مکہ میں جب قریش کی آنکھ کھلی تو فرشِ رسولؐ پر بجائے رسولؐ کے
رسول علی مرتضیٰؑ کو دیکھا۔ حیران ہو کر پوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ فرمایا کیا تم نے
ے سپرد کیا تھا جو پوچھتے ہو؟ یہ سن کر ان بدبختوں نے حضرت علیؑ کو اذیت
ود حرم کعبہ میں کچھ عرصہ قید رکھ کر چھوڑ دیا۔[2]

کا ادائے امانات کے بعد سفر

حضرت علی ابن ابی طالبؑ تین شب و روز دشمنوں کے
ل نہایت دلیری سے ٹھہرے رہے اور حکمِ رسالت کے مطابق امانتوں کو
۔جون کے مہینے کی شدید گرمی میں اپنے خاندان کی عورتوں کو ہمراہ لے
لیے اور سنگلاخ رستوں کو طے فرما کر تکلیفیں جھیلتے، سوجے ہوئے پاؤں
ں میں چھالے پڑے ہوئے تھے، خدمت سرکارِ رسالتؐ میں حاضر

النبوۃ جلد ۲ ص۷۷ [2] تاریخ طبری جلد ۲ ص۲۴۵ تاریخ کامل جلد ۲ ص۴۹

ہوئے علی کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ کا دل بھر آیا۔ گلے سے لپٹالیا
پر لعابِ دہن لگایا۔ جس سے حضرت علی کو شفا ہوئی۔ [1]

قبا میں قیام

رسول اللہ غارِ ثور سے روانہ ہو کر قبا میں چودہ روز
اور یہاں لوگوں کی استدعا پر مسجد تعمیر فرمائی۔ اسی مقا
حضرت علی خدمتِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ قبا میں مدینہ کے لوگ جوق
زیارت کے لئے آتے تھے۔ دھوپ سے بچنے کے لئے ان لوگوں کے و
چادریں تان دی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر بھی چادر تان کر کھڑے ہو جاتے

مدینہ طیبہ میں سرکارِ رسالت کا ورودِ مسعود

جب سرکارِ رسا
قبا سے مدینہ
طرف روانہ ہوئے تو قبا سے مدینہ تک دو رویہ لوگ کھڑے تھے۔
مدینہ کے جوش و خروش اور مسرت و انبساط کا عجیب عالم تھا۔ تکبیر
نعرے بلند تھے، ہر فردِ مکہ کے جلاوطن نبی کی راہ میں آنکھیں بچھا
مسلمانوں کی لڑکیاں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے

"چودھویں رات کا چاند ہم پر طلوع ہوا۔ وداع کی گھاٹیوں کی طرف سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
اللہ کے رسول! تیرے حکم کی اطاعت فرض ہے۔"

رسول اللہ اپنے ان عقیدت مند جاں نثاروں کے جوشِ محبت کو د

[1] تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۵۱، تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۸۱ ۔ مدارج النبوۃ
معارج النبوۃ صفحہ ۱۰۱ ۔ ابن خلدون صفحہ ۱۶

خوش تھے اور اللہ کا شکر ادا فرما رہے تھے۔

ابو ایوب انصاری اور ان کی اولاد کا ابدی شرف

مدینہ کا ہر شخص چاہتا تھا کہ رسول اللہؐ اپنے قدوم میمنت لزوم سے اسی کے گھر کو شرف بخشیں۔ حضورؐ نے شہر میں داخل ہو کر اپنی اونٹنی کی مہار چھوڑ دی۔ اور فرمایا کہ جہاں یہ اللہ کے حکم سے ٹھہرے گی ہم وہیں قیام فرمائیں گے چنانچہ اونٹنی ابو ایوبؓ کے مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ چنانچہ رسول اللہؐ کے قیام کی سعادت ابو ایوبؓ کے حصہ میں آئی۔ یہ وہ ابدی شرف تھا جس پر ابو ایوبؓ اور ان کی اولاد ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ حضرت ابو ایوبؓ قبیلہ بنی نجار کے ایک فرد تھے اور اس خاندان کو رسول اللہ کے ننھیال ہونے کا شرف حاصل تھا۔ رسول اللہؐ کے پردادا حضرت ہاشم کی زوجہ محترمہ اور حضرت کے دادا عبد المطلب کی والدہ معظمہ بی بی سلمیٰ اسی قبیلہ سے تھیں۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء مطابق ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ بروز جمعرات شہر مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔

تعمیر مسجد نبوی

مدینہ میں کچھ قیام فرمانے کے بعد رسول اللہؐ نے مسجد تعمیر فرمائی۔ جو کچی اینٹوں کی تھی۔ اور اس پر کھجور کے ڈال اور گھاس پھونس کی چھت تھی۔ اس کی تعمیر میں رسول اللہؐ نے بنفس نفیس حصہ لیا۔ اس کے اردگرد کچھ کچے حجرے بنائے گئے جن میں خود حضورؐ نے اور حضورؐ کے خاندان اور بعض صحابیوں نے سکونت اختیار کی۔

اصحابِ صُفّہ

مسجد کے بالکل قریب حضورؐ نے ایک صُفّہ (چبوترہ) بنا
جس پر گھاس پھونس کی چھت ڈالدی۔ اس چبوترہ پر نادا
ومفلس مسلمان پڑے رہتے تھے اور اہل صفہ یا اصحاب صفہ کہلاتے۔
سرکار رسالت ان کی ضروریات کے کفیل تھے۔ آپ ان کے کھانے
کپڑے کی خبرگیری فرماتے اور اکثر اوقات ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلا
تھے۔

عقدِ مواخات

رسول اللہؐ کے تدبر اور دور اندیشی نے خانہ بر
مہاجروں کو انصار کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منسلک
اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا۔ حضرت سلمان کو ابو
کا۔ حضرت ابوذر کو منذر بن عمر کا، حضرت عمار یاسر کو حذیفہ یمانی کا، مصعب
بن عمیر کو ابو ایوب انصاری کا، زبیر بن عوام کو سلامہ بن وقش کا۔ ابو عبیدہ
کو سعد بن معاذ کا، حضرت عثمان کو اوس بن ثابت کا، حضرت عمر کو عتبا
بن مالک کا اور حضرت ابوبکر کو خارجہ بن زید انصاری کا۔ مگر اپنی ذات
اور حضرت علی کو کسی انصاری کا بھائی نہیں بنایا۔ بلکہ حضرت علی کا
پکڑ کر فرمایا۔ علی میرے بھائی ہیں [1]

مہاجرین وانصار

جو لوگ ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تے
انہیں مہاجرین کہتے ہیں۔ اور مدینہ کے جن لوگو

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۷۹، تاریخ ابو الفدا صفحہ ۱۳۳، مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱
معارج النبوۃ صفحہ ۳۳، تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۹۸ وغیرہ

نے حضورؐ کی مدد کی سعادت حاصل کی وہ انصار کہلاتے ہیں۔ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر آئے تھے حضورؐ نے ان میں سے ایک ایک کو ایک ایک انصاری کے حوالہ کر دیا یہ انصار مہاجرین سے بھائیوں سے بڑھ کر سلوک کرتے تھے۔ گھر میں رہنے کو جگہ دی، اپنے گھر کا آدھا سامان دیا۔ اپنی کھیتی باڑی کو بانٹ کر آدھا ان کے سپرد کر دیا۔ انصار میں سے جو کاروبار کرتے تھے انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے کاروبار اور تجارت میں برابر کا شریک بنا لیا۔

مدینہ کے مختلف گروہ

۱۔ اوس و خزرج کے قبائل جو پہلے مشرک تھے مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہؐ کی تشریف آوری سے پہلے یہ برسرپیکار رہتے تھے، اب رسول اللہؐ کی بدولت اخوتِ اسلامی سے بہرہ ور ہوئے اوس و خزرج زراعت پیشہ تھے۔

۲۔ یہودی۔ یہود کے تین قبیلے بنونضیر، بنوقینقاع، بنوقریظہ مدینہ میں آباد تھے۔ ان کے محلوں کو قلعے کہتے تھے۔ وہ سود خوری اور تجارت کی وجہ سے بہت مالدار تھے۔ شروع میں انہوں نے رسول اللہؐ کی تشریف آوری کو بُرا نہ سمجھا مگر جب دیکھا کہ حضورؐ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا سچا نبی کہتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں تو مسیح علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ سے حضورؐ کے مخالف ہو گئے۔

۳۔ عیسائی۔ تعداد میں تھوڑے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ توحید کے علمبردار ہیں، تثلیث، رہبانیت، کفارہ اور پوپ کے الوہی اقتدار کی مخالفت کرتے ہیں تو آپؐ سے برگشتہ ہو گئے۔

۴۔ منافقین۔ ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا، جسے اہلِ مدینہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے حکمران بنانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مگر اسلام کی وجہ سے وہ حکمران بننے میں ناکام رہا۔ منافقین بظاہر مسلمان تھے مگر اندرونی طور پر رسول اللہ ﷺ سے کینہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے، ان کے قصوروں سے چشم پوشی فرماتے تھے تاکہ یہ صدق دل سے مسلمان ہو جائیں۔

دستور قانین مدینہ اہلِ مدینہ نے سرکارِ رسالت ﷺ کو اپنے شہر کا حاکمِ اعلیٰ تسلیم کر لیا حضور ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لئے دستورِ حکومت مرتب فرمایا یہ دستور اس طرح پر تھا:۔

۱۔ تمام تنازعات کا فیصلہ اللہ کا رسول ﷺ کرے گا۔

۲۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے مملکت میں یکساں حقوق ہوں گے۔

۳۔ دونوں فریق اپنے اپنے دین پر قائم رہیں گے اور ایک دوسرے سے تعرض نہیں کریں گے۔

۴۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر اس کا دفاع کریں گے۔

۵۔ جب کسی بیرونی طاقت سے صلح یا معاہدہ کریں گے تو دونوں فریق اکٹھے کریں گے۔

۶۔ فریقین مدینہ کے اندر خونریزی نہیں کریں گے۔

۷۔ حالتِ جنگ میں فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

یہ دستور "میثاقِ مدینہ" بھی کہلاتا ہے۔ مگر یہودیوں نے اس معاہدہ کو توڑ

کر اپنی تباہی کا خود سامان کر لیا۔

سوالات

۱۔ اہلِ یثرب میں رسولؐ کی تبلیغ اس کے اثر اور بیعت عقبہ اولیٰ وعقبہ ثانیہ کو بیان کیجئے۔

۲۔ مسلمانوں کی ہجرت کا واقعہ بیان کیجئے اور اس پر کفار کے دارالندوہ کے مشورے کو بیان کیجئے۔

۳۔ واقعۂ ہجرت اور اس پر جناب امیرؑ کی جان نثاری کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

۴۔ حضرت ابوبکر کی ہجرت میں شمولیت کو بیان کیجئے۔

۵۔ غارِ ثور میں کیا ہوا اور حضرت ابوبکر کے اونٹوں کی پیشکش کو بیان کیجئے۔

۶۔ کفار اور حضرت علی کا مکالمہ بیان کیجئے

۷۔ رسول اللہؐ کے امانات کے اشارے سے کیا بات واضح ہوتی ہے اور علی کس طرح امانت ادا کر کے خدمتِ سرکارِ رسالت میں حاضر ہوئے؟

۸۔ سرکارِ رسالت کے قبا کے قیام کے واقعات بیان کیجئے۔

۹۔ مدینہ طیبہ میں سرکارِ رسالت کے استقبال کا کیا منظر تھا؟
۱۰۔ تعمیر مسجدِ نبوی و صُفّہ کو تفصیل سے بیان کیجئے۔
۱۱۔ عقدِ مواخات کی تفصیل بیان کیجئے۔
۱۲۔ حضرت ابوایوب کے شرف و سعادت کو بیان کیجئے۔
۱۳۔ انصار نے مہاجرین کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
۱۴۔ مدینہ کے مختلف گروہوں اور دستور و آئین مدینہ کو بیان کیجئے۔

آٹھواں باب

غزوات

غزوۂ بدر رمضان المبارک ۲ھ (مارچ ۶۲۴ء)

دفاعی لڑائیاں اور اُن کے اسباب

ایسی دفاعی لڑائیاں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفسِ نفیس حصہ لیا ہے "غزوات" کہلاتی ہیں۔ یہ لڑائیاں رسول اللہ ؐ نے اسلام کو دشمنوں سے بچانے کے لیے لڑی تھیں۔ اس موقعہ پر بنی امیہ اور دوسرے معاندین کفار کو اندیشہ تھا کہ اگر لوگوں نے دینِ اسلام قبول کر لیا تو ان کے دھرم "بُت پرستی" کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور جابر قبیلوں کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گا۔ حضورؐ کی تعلیم براہِ راست کسی خاندان کی بلندی اور کسی خاندان کی پستی کی حمایت نہیں کرتی۔ آپ کی تعلیم میں بلندی اور عزت کا معیار صرف کردار کی خوبی اور فرائض انسانی کی بجا آوری ہے اور اس معیار پر بنی امیہ اور عرب کے دوسرے قبیلے پورے نہیں اترتے تھے، اس طرح ان کے سیاسی اقتدار کو صدمہ پہنچتا تھا نیز بنوامیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرکارِ رسالت ؐ اب مدینہ میں محفوظ ہیں، اور مسلمان بھی امن و راحت کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو ان کے حسد، دشمنی اور عداوت کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب اسلام کا بول بالا ہوگا، اُن کا دین

بُت پرستی مِٹ جائے گا۔ اور بنو ہاشم کو فروغ ہوگا۔ تو انہوں نے عرب کے بُت پرستوں کو مذہب کے نام پر اُبھارا اور اپنے گرد جمع کیا۔ اور اپنی اکثریت سے مدینہ کے لوگوں کو ڈرایا کہ اگر وہ مسلمانوں کو اپنی پناہ میں لئے رہیں گے تو ان کو سزا دی جائے گی۔ جب ان کے ڈرانے دھمکانے کا اہلِ مدینہ پر اثر نہ ہُوا تو پھر انہوں نے مدینہ پر حملے شروع کر دیئے۔

غزوۂ بدر سب سے پہلی مستقل لڑائی جو مشرکینِ مکہ اور سرکارِ رسالتؐ کے درمیان ہوئی وہ غزوۂ بدر ہے۔ بدر، مدینہ سے اسّی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا۔ یہ لڑائی ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ (۱۳ مارچ ۶۲۴ء) بروز جمعہ ہوئی۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ حملہ کرنے والے ہیں، اور یہ بھی سُنا گیا کہ ابوجہل کی قیادت میں ایک ہزار مسلح فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئی ہے۔ ان کے پاس سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے ہیں۔ اکثر سپاہی زرہ پوش ہیں، ان کے پاس نیزے، ڈھالیں اور تلواریں ہیں اور ابوسفیان میں ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ اسباب تجارت لا رہا ہے۔ اس طرح مسلمان دونوں طرف سے گھر جائیں گے۔ رسول اللہؐ یہ خبر سن کر جو فوج لے کر ان کے مقابلہ کے لئے نکلے اس کی تعداد ۳۱۳ تھی، ان کے پاس کُل دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور چند تلواریں تھیں۔ عقاب نامی عَلَم نفسِ رسول علی مرتضیٰؑ کے شانوں پر لہرا رہا تھا۔ انصار کے عَلَم بردار سعد بن عبادہؓ تھے۔

۶۲۴ء

سرکارِ رسالتؐ نے میدانِ جنگ میں آ کر سجدہ میں سر رکھ دیا اور خدائے واحد سے احدیت میں اس طرح دُعا مانگی۔

ل تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۷۳۔ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵

سرکارِ رسالتؐ کی دُعا

"میرے اللہ! اگر موحدین کی یہ مٹھی بھر جماعت تباہ ہو گئی تو روئے زمین پر تیرا نام بلند کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

لڑائی شروع ہوئی۔ صفِ کفار سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں آئے اس طرف سے ان کے مقابلہ میں تین ہاشمی نوجوان علیؑ، حمزہؓ اور عبیدہؓ بن الحارث مقابلہ میں نکلے۔ ولید کے مقابلہ میں علیؑ، شیبہ کے مقابلہ میں حمزہؓ اور عتبہ کے مقابلہ میں ابو عبیدہؓ بن الحارث تھے۔ ہاشمی تلواروں کے پہلے ہی حملہ میں ولید اور شیبہ خاک پر تڑپتے نظر آئے اور ختم ہو گئے۔ عبیدہ اور عتبہ میں تلوار چلی۔ عبیدہ زخمی ہو کر گرے۔ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؑ ولید کو قتل کر چکے تھے فوراً عتبہ کے سر پر پہنچے اور ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ ابوسفیان کے تین قریبی رشتہ دار قتل ہو گئے۔ ایک حمزہؓ کے ہاتھ سے دو علیؑ کے ہاتھ سے حضرت علیؑ حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر خدمتِ رسالتؐ میں لائے۔ عبیدہ زخموں سے چور تھے، خدمتِ سرکارِ رسالتؐ میں عرض کیا۔ "کیا میں درجۂ شہادت سے محروم رہا؟" فرمایا۔ "نہیں! تم نے درجۂ شہادت کو حاصل کر لیا۔"

اس کے بعد لڑائی تیز ہو گئی، نصرتِ الٰہی شاملِ حال تھی۔ ابوجہل بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ کفار کو شکست ہوئی۔ ابوسفیان کو بھاگنا پڑا اور مسلمان مظفر و منصور مدینہ میں آ گئے۔

غزوۂ بدر کے ہیرو

اس لڑائی میں ستر نامور کافر مارے گئے۔ جن میں سے ۳۵ صرف حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے

قتل کیے اور باقی ۲۵ کو سارے مسلمانوں نے مل کر مارا۔ اسی لیے علامہ شبلی اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

"غزوۂ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علی ابن ابی طالبؑ ہیں"[1]

نتائج اس لڑائی سے مسلمانوں کی فوجی طاقت کی دھاک کفار پر بیٹھ گئی۔ اسلام کے خلاف جو خطرہ حائل تھا ٹل گیا۔ اور مدینہ کو استحکام حاصل ہوا۔ البتہ کفار کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور بنو امیہ کے دل میں آلِ محمدؐ علیؑ اور اولادِ علیؑ کی عداوت اس طرح جاگزین ہوئی کہ اس کے اثرات صدیوں تک نمایاں ہوتے رہے۔

بدر کے قیدیوں سے سلوک اس لڑائی میں کفار کے جو ستر افراد قید ہو کر آئے تھے ان سے نہایت اچھا سلوک کیا گیا۔ یہ قیدی مختلف مسلمانوں کے سپرد ہوئے جو اپنا کھانا انہیں کھلاتے تھے اور خود فاقے سے رہتے تھے۔ مالدار قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ تعلیم یافتہ قیدیوں کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ وہ مدینے کے دس دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ نادار قیدی بلا فدیہ رہا کر دیئے گئے۔

تزویج جناب سیدہ ۲ھ میں ہی جناب فاطمہؑ کا عقد جناب امیر علیہ السلام سے ہوا۔ علامہ دیلمی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر سرکارِ رسالتؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ سیدہ طاہرہ کا مہر ۴۸۰ مثقال چاندی تھی اور یہ وہ مبارک نکاح ہے

---

[1] سیرت النبی جلد اول صفحہ ۲۵۷

جس سے بقائے نسلِ رسالت ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کی اولاد اس کی اپنی پشت سے ہوئی مگر میری اولاد صلبِ علیؑ سے ہوگی۔ (طبرانی)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے انس اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ میں فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کردوں (مدارج النبوۃ)

حضرت فاطمہؑ کا عقد جب حضرت علیؑ سے ہو چکا تو سرکارِ رسالتؐ نے اس طرح دعا فرمائی۔ بار الٰہا میں نے فاطمہؑ اور اس کی ذریت کو شیطان کی شر سے تیری پناہ میں سونپا۔ (مدارج النبوۃ)

رسول اللہؐ نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا۔ الٰہی ان دونوں سے اولادِ طیب و طاہر پیدا فرما۔ (مدارج النبوۃ)

متفرق واقعات اسی سال غزوۂ بنی قینقاع پیش آیا جس کا تذکرہ تسلسل کی بنا پر آگے چل کر کیا جائے گا۔

سنہ ۲ھ ہی میں رمضان کے روزے، عید کی نماز اور زکوٰۃ فطرہ کا حکم آیا نیز اسی سال مسلمانوں نے نمازِ عید با جماعت ادا کی۔

غزوۂ اُحد

۷ شوال سنہ ۳ھ ، ۲۳ مارچ ۶۲۵ء

غزوۂ اُحد کے اسباب یہ لڑائی غزوۂ بدر کی شکست کے انتقام میں ہوئی

جنگ بدر میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور حنظلہ جیسے نامور قریش مارے گئے تھے اس لئے مکہ میں ان کفار کی صف ماتم بچھ گئی۔ ابوجہل کے قتل ہونے پر کفار مکہ کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ آئی۔ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہیں لے گا اس پر دُنیا کی لذتیں حرام رہیں گی۔ جنگی تیاریوں کا سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور ابن ربیعہ ابوسفیان کے پاس گئے اور مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ اس سال تجارتِ شام کا جو کچھ منافع ہو وہ سب جنگی ساز و سامان میں صرف کر کے بدر کا پورا پورا انتقام لیا جائے۔[1]

شعراء ابوعزہ اور ابن زبعری شاعروں کو بدر کے انتقام کے لئے اپنے اشعار میں لوگوں کو بھڑکانے کا موقعہ ملا۔

لشکر کفار ابوسفیان پوری تیاریوں کے ساتھ نامی گرامی بہادروں کو لے کر روانہ ہوا۔ فوج کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش جوان تھے، دو سو سوار، ہزار اونٹ اور پندرہ ہودجیں تھیں اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی اپنی چودہ سہیلیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھی[2]۔ اس فوج نے احد کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔

لشکر اسلام سرکارِ رسالت کو جب علم ہوا تو حضور نے بھی لشکر کو ترتیب دیا۔ مہاجرین کا عَلم علی مرتضیٰ، خزرج کا عَلم سعد بن عبادہ اور

---

[1] ناسخ، کامل جلد ۲ ص ۶۰، مدارج النبوۃ ص ۱۳۰

[2] مدارج النبوۃ ص ۱۳۱، سیرت ابن ہشام ص ۶۰، کامل جلد ۲ ص ۶۲، طبری جلد ۲ ص ۱۲۷
خمیس جلد ۱ ص ۴۷۳، ابن خلدون ۲ ص ۲۴

اس کا علم اسید بن حضیر کو دیا۔ روانگی کے وقت لشکر کی کل تعداد ایک ہزار سپاہی تھے۔ لیکن مدینہ سے باہر نکل کر جب عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر علیحدہ ہو گیا اور واپس چلا آیا تو میدان جنگ میں صرف سات سو جان نثار ہی رہے۔ کل فوج میں صرف دو گھوڑے اور سو زرہ پوش تھے[1]۔

کفار کی عورتیں

کفار کے لشکر کو ابوسفیان کی بیوی معاویہ کی ماں اور یزید کی دادی اپنی سہیلیوں کے ساتھ محرک جذبات اشعار گا کر جوش دلا رہی تھیں۔ اشعار یہ تھے:-

نحن بنات طارق　　نمشی علی النمارق

ان تقبلوا نعانق　　او تدبروا نفارق

فراق غیر وامق[2]

"ہم حسن و جمال میں ستارہ ہائے فلک کی لڑکیاں ہیں۔ ہم ناز و نعمت سے ریشمی گدوں پر چلنے پھرنے والیاں ہیں۔ اگر تم دشمن کے مقابلے میں پیش قدمی کرو گے اور آگے بڑھتے جاؤ گے تو ہم تمہیں اپنے گلے سے لگائیں گی (اور دیکھو) اگر تم پیٹھ پھراؤ گے تو ہمیشہ کے لئے ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔ ایسا الگ ہونا جس کے بعد مہر و محبت کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہے گا۔"

---

[1] سیرت النبی صـ ۲۷۲ و صـ ۲۷۳، کامل جلد ۲ صـ ۶۲، طبری جلد ۲ صـ ۱۳، سیرت ابن ہشام جلد ۲ صـ ۶۳ - صـ ۲۸ - مدارج النبوۃ صـ ۱۲۴ و صـ ۱۲۵

[2] استیعاب جلد ۲ صـ ۷۸۶ مطبوعہ دکن

ان اشعار میں تحریض و ترغیب بھی موجود ہے اور تخویف و تنبیہ بھی۔ اگر فتح پر وصال کے وعدے ہیں تو بھاگنے پر ہجر کی دھمکیاں۔ بہرحال یہ اشعار مخالفین سرکار رسالتؐ کے اخلاق و اطوار کے آئینہ دار ہیں۔

پہاڑ کا اہم درّہ

جبلِ اُحد کے پاس پہنچ کر رسول اللہؐ نے ایک پہاڑی درّہ پر پچاس تیر انداز سوار مقرر کر دیئے۔ تاکہ اگر دشمن مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے کوئی فوج بھیجے تو یہ تیر انداز اسے روک سکیں۔ ان تیر اندازوں کو حضورؐ نے ہدایت کی اور تاکیدی حکم فرمایا کہ خواہ کچھ ہو وہ اپنی جگہ پر ڈٹے رہیں۔ عبداللہ بن جبیر اس دستے کے سردار تھے۔

آغازِ جنگ

اب جنگ شروع ہوئی۔ سب سے پہلے قریش مکہ کا علمدار طلحہ صفِ لشکر سے باہر نکلا اور اس نے مبارز طلبی کی۔ اس کے مقابلہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ نکلے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے پہلے ہی حملہ میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر طلحہ کا بیٹا جوشِ غضب میں لشکر سے باہر آیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت ابو دجانہ انصاری دشمن کی فوج میں گھس گئے اور ان کی صفوں کو الٹ کر رکھ دیا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

حضرت حمزہؓ جوشِ ایمانی سے دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ مطعم بن جبیر کے حبشی غلام وحشی نے جسے ہندہ نے وعدہ وعید کے ساتھ حضرت حمزہؓ کے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ چھپ کر دور سے حضرت حمزہؓ پر نیزہ پھینکا۔ یہ

سرہ آپ کی ناف میں اس وقت لگا جبکہ آپ دشمن کی صفیں کاٹتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے آپ نے پلٹ کر وحشی پر حملہ کرنا چاہا مگر آپ لڑکھڑا کر گرے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ہندہ کا جوش انتقام ہندہ نے جناب حمزہؓ یا دوسرے مسلمانوں کی نعشوں سے کیا سلوک کیا۔ اس سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

"خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی نعشوں سے بدلہ لیا۔ ان کے ناک، کان کاٹ لئے۔ ہندہ (معاویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کی نعش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے نیچے نہ اتر سکا۔ اس لئے اگل دینا پڑا۔"

تاریخوں میں ہندہ کا لقب جو جگر خوارہ لکھا جاتا ہے، اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔[1]

ابن عبدالبر نے تو یہ روایت بھی لکھ دی ہے کہ اس نے حضرت حمزہؓ کے جگر کو بھون کر کھا لیا۔[2]

یہ بنی امیہ کی عورتوں کی سنگ دلی ہے۔ حالانکہ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ جس قبیلہ کی عورتیں اس قدر قسی القلب ہوں ان کے مردوں کی کیا حالت ہوگی۔ اس واقعہ سے آپ اس عناد اور دشمنی کا اندازہ کر سکتے ہیں

---

[1] سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۷۳ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۲۸۶

جو اس قبیلہ میں بنی ہاشم کے لئے موجود تھی۔ جب قبیلہ کی عورتوں کے عناد کا یہ عالم ہو اس کے سنگدل مردوں کے دل میں کیا عداوت ہوگی۔

الغرض حضرت علی اور حضرت ابو دجانہ انصاری کے حملوں نے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے ابو سفیان بھاگ نکلا۔ علامہ شبلی اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

فتح شکست ہوگئی کیوں؟ علمبرداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور ابو دجانہ انصاری کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پُر جوش نازنینیں جو اپنے ترانوں سے سپاہیوں کے دل ابھار رہی تھیں۔ وہ بھی بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہوگیا۔[1] لیکن غضب یہ ہوا کہ مسلمان لڑائی کو چھوڑ کر لوٹ میں پڑ گئے اور تیر اندازوں کا جو دستہ درہ پر مامور تھا مورچہ کو چھوڑ کر لوٹ میں شامل ہوگیا۔ عبداللہ ابن جبیر بیچارے نے لاکھ سر مارا روکا، سمجھایا مگر ساتھیوں نے غنیمت کے لالچ میں ایک نہ سنی۔[2] خالد بن ولید جو اس وقت کفار کے لشکر میں تھا اس نے اس زبردست مورچہ کو خالی دیکھا، موقعہ کو غنیمت سمجھا اور فوراً کفار قریش کے ایک دستہ سے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ عبداللہ ابن جبیر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جم کر لڑے، آخر وہ سب کے سب شہید ہوگئے۔ خالد نے بڑھ کر اس مورچہ پر قبضہ کرلیا اور پھر اپنے دستہ سے ان لالچی مسلمانوں پر سخت حملہ کردیا یہ مسلمان لوٹ مار میں مصروف تھے کہ یکایک پیچھے سے تلواریں پڑنے لگیں۔ ادھر سامنے سے ابو سفیان بھی خالد کے حملہ کو دیکھ کر بھاگی ہوئی فوج سے کر پلٹ پڑا

مضطربین احد مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بڑے بڑے مشاہیر بھاگ نکلے

[1] سیرۃ النبی صفحہ ۲۰۶، طبری صفحہ ۱۴، کامل صفحہ ۱۷۳ [2] تاریخ ابن الوردی

حضرت عمر اپنے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"جب روز احد ہم کو شکست ہوئی تو میں بھاگا۔ یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اگر تم دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ میں پہاڑی بکری کی طرح پہاڑ پر اچک رہا تھا۔"[1]

اصحاب رسول، آنحضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے، کچھ شہر (مدینہ) کی طرف چلے گئے کچھ پہاڑ پر چڑھ کر جا بیٹھے اور رسول اللہؐ پکار رہے تھے۔ اے بندگان خدا میرے پاس آؤ، میرے پاس آؤ۔[2]

قرآن میں فرار کی تصویر

پہاڑ پر بھاگ جانے کو خدا نے بھی اپنے کلام پاک میں یاد دلایا ہے:۔

اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم[3]

یاد کرو اس وقت کو جب جان کے خوف سے بھاگے پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، اور رسول تم کو پکار رہے تھے۔

علم بلاغت میں دسترس رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ اس آیت سے مستثنےٰ تنے کم افراد رہ گئے تھے۔ کہ مقام خطاب میں سب کی طرف نسبت دینا صحیح ہو، اگر آدھی، چوتھائی جماعت بھی ثابت قدم ہو تو متکلم کو حق پیدا نہیں ہوتا کہ پوری جماعت کی طرف نسبت دے کر واقعہ کو بیان کرے۔ بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مستثنےٰ صرف چند افراد تھے اور جماعتی لحاظ سے سب کی یہ حالت تھی جو بیان ہوئی۔

اس آیت کی توضیح کے بعد تاریخ کے مطالعہ کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی۔

انس بن مالک کے چچا انس بن نضر لڑتے بھڑتے آگے بڑھے تو انھوں نے

---

[1] تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۹۶ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۳۸ تفسیر در منثور سیوطی جلد ۲ صفحہ ۸۸ موقف
[2] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰ [3] سورہ آل عمران

دیکھا کہ حضرت عمر اور طلحہ چند مہاجرین کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہتھیار پھینکے علیحدہ بیٹھے ہیں۔ پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ جنگ سے کیوں منہ موڑ لیا، انہوں نے جواب دیا رسول اللہؐ تو قتل ہو گئے (اب لڑ کر کیا کریں؟) یہ سن کر انس نے کہا پھر رسولؐ کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے، یہ کہہ کر خود فوج میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے خود شہید ہو گئے۔ بعد میں جب ان کی نعش کو دیکھا گیا تو اس بزرگوار کے جسم پر تیر اور نیزے کے ستر زخم تھے کوئی شخص پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ انس بن نضر کی نعش ہے۔ ان کی بہن نے بس انگلی دیکھ کر انہیں پہچانا۔[1]

حضرت عثمان تو بہت ہی دور نکل گئے تھے[2]

تین دن کے بعد جب حضرت عثمان واپس آئے۔ تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا، آپ تو بہت ہی دور نکل گئے تھے[3]

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ایک گوشہ میں تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عثمان تین روز کے بعد واپس تشریف لائے[4]

حضرت ابوبکر نخلستان میں جا چھپے تھے۔ صاحب تاریخ خمیس حضرت ابوبکر کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب سب لوگ احد کے دن رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو سب سے پہلے میں نبیؐ کے پاس آیا تھا۔

---

[1] تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۷۶ ، واقدی صفحہ ۲۰ ، صفحہ ۹۲ و صفحہ ۹۵ ۔ تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۴۳۸ ۔ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱
سیرت ہشام جلد ۲ صفحہ ۷۶ ، معارج النبوۃ صفحہ ۹۹ ۔ مدارج النبوۃ صفحہ ۱۳۸

[2] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱ ۔ [3] مدارج النبوۃ صفحہ ۱۳۸ [4] حبیب السیر جلد ا جزو ۲ صفحہ ۳۴
تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳ [5] تاریخ طبری مستدرک حاکم ، قرۃ العین

جناب امیرؑ کا ثبات

اس جنگ میں حضرت علی مرتضیٰ ایک قدم بھی نہ سرکے برابر تلوار چلاتے صفوفِ کفار کو برہم کرتے اور حضرت رسولؐ کی جستجو میں آگے بڑھتے رہے۔ چونکہ یہ آواز کان میں پڑ چکی تھی کہ آنحضرتؐ شہید ہو چکے ہیں لہٰذا بہت مضطرب اور سخت طیش میں تھے۔ لڑتے لڑتے آپ نے دیکھا مسلمان دوسری طرف ابھی تک جا رہے ہیں، پس اس طرف کو بڑھے اور کافروں کو مارتے گراتے وہاں تک پہنچے جہاں ابو دجانہ وغیرہ چند جانباز مجاہد سینہ سپر تھے اور آنحضرتؐ کو دشمنوں کے حملوں سے بچا رہے تھے پس آنحضرتؐ کو زندہ پا کر علیؑ کی جان میں جان آئی۔ پہلے سے زیادہ شدت و قوت کے ساتھ دشمنوں پر حملہ کر کے پیچھے ہٹا دیا۔

صاحب مدارج النبوۃ شاہ عبد الحق لکھتے ہیں، جب مسلمان شکست کھا کر حضرت رسولؐ کو تنہا چھوڑ گئے، آپ سخت غصہ میں تھے اور حضورؐ کی پیشانی سے پسینہ موتیوں کی طرح ٹپک رہا تھا اس حالت میں آپؐ کی نظر حضرت علی مرتضیٰ پر پڑی کہ حضورؐ کے پہلوئے مبارک میں کھڑے ہیں، حضورؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ! تم اپنے بھائیوں سے کیوں نہ جا ملے۔ اس پر حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ حضور! کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا، مجھے تو آپؐ کی پیروی سے کام ہے، اپنے دوستوں اور بھائیوں سے کام نہیں جو غنیمت کے پیچھے پڑ گئے اور شکست کا باعث ہوئے۔ اسی اثنا میں کافروں کی ایک جماعت نے رسول اللہؐ پر حملہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یا علی اس گروہ سے میری حفاظت کرو۔ اور میری نصرت اور خدمت کا حق بجا لائیے کہ یہی میری امداد کا وقت ہے

لہ اعجاز التنزیل ص ۲۷۷

علی مرتضیٰ اس گروہ پر حملہ آور ہوئے انہیں تباہ و برباد کیا اور منتشر کر دیا۔ اور ان میں سے ایک جماعت کثیر کو جہنم میں پہنچا دیا۔ یہی شاہ عبدالحق لکھتے ہیں :۔[1]

جب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس طرح شجاعت کا اظہار فرمایا اور رسول اللہ کی نصرت کا حق ادا کیا تو حضرت جبرئیل نے سرکار رسالتؐ سے عرض کیا یہ انتہائی مواسات اور قربانی اور جوانمردی ہے جو اس وقت علی سے ظاہر ہوئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو علیؑ مجھ سے ہے میں علیؑ سے ہوں۔ اس وقت جبرئیل امین نے عرض کیا میں آپ دونوں سے ہوں۔ کہتے ہیں کہ اس وقت لوگوں نے سنا کہ ہاتف غیبی کہہ رہا تھا :۔

" لاسیف الا ذوالفقار و لافتیٰ الا علی کوئی تلوار نہیں مگر ذوالفقار اور کوئی جوانمرد نہیں مگر علی۔[2]

قیس نے سعد سے روایت کی ہے کہ میں نے علی مرتضیٰ سے سنا۔ فرما رہے تھے کہ احد کے دن اٹھارہ ضربیں میرے جسم پر لگیں۔ چار ضربوں کے بعد میں زمین پر گر پڑا کہ ایک خوش منظر شخص نے جس کے جسم سے خوشبو آ رہی تھی بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور کہا۔ کافروں پر حملہ کرو۔ تم اس وقت خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر رہے ہو اور وہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ بعد جنگ میں نے اس واقعہ کو سرکار رسالتؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا

---

[1] مدارج النبوۃ ص ۱۵۲

[2] مدارج النبوۃ ص ۱۵۲

وجبرئیل امین تھے۔[1]

اس لڑائی میں جب کہ ایسے مردجن کی شجاعت کے افسانے بیان کئے جاتے ہیں میدانِ جنگ سے پسپا ہو گئے ایک جاں نثار عورت کی بہادری کا ذکر نہ کرنا انصاف کا خون ہے۔

ام عمارہ انصاریہ کا ثبات وجاں نثاری

ام عمارہ خاندان انصار کی ایک نازخاتون ہیں۔ یہ ضعیفہ بی بی جیسے صحابیہ ہونے کا فخر حاصل ہے سرکارِ رسالت سے اجازت لے کر لشکرِ اسلامی کی خدمات کے لئے اُحد میں ہمراہ آئی تھیں اور فنِ جراحی میں دسترس رکھتی تھیں عین اس موقع پر جبکہ فوجِ کفار کے موذی تیرانداز سرکارِ رسالت پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے یہ شیر دل انصاریہ خاتون حضورؐ کے آگے کھڑی ہو گئیں اور ان کے تیروں کو اپنے سینہ پر لینے لگیں اور جب وہ خونخوار جماعت نیزہ و تلوار لے کر حضورؐ پر حملہ کرتی تھی تو یہ خود تلوار پکڑ کر ان کے وار کو رد کرتی تھی۔ جب ابن قمیہ تلوار پکڑ کر سرکارِ رسالت کے بالکل قریب آ گیا تو ام عمارہ نے بڑھ کر بڑی دلیری سے روکا اور اسی ردوکد میں اس جانباز عورت کے کاندھے پر زخم لگا اور غار پڑ گیا جو مدتوں رہا۔ اس بہادر خاتون نے ابن قمیہ پر تلوار کی ضرب لگائی مگر وہ ظالم دو زرہیں تلے اوپر پہنے ہوئے تھا اس لئے ان کی تلوار کام نہ کر سکی۔[2]

اس جنگ میں کفارِ قریش کے ایک سپاہی ابو عامر شقی نے میدانِ جنگ میں

---

[1] مدارج النبوۃ صـ۱۵۳، معارج النبوۃ رکن چہارم صـ۹۴ و صـ۹۵ و صـ۹۶

[2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صـ۹۴، سیرۃ النبی صـ۲۸۱

ایک گڑھے کمود کرخس پوش کر دیا تھا۔ کہ مسلمان اس میں گریں اور چوٹیں کھائیں اللہ
ہول، سرکارِ رسالت ؐ جب اس گڑھے کی طرف تشریف لائے تو اس میں گر
گئے، حضرت علی ؑ نے فوراً آگے بڑھکر ہاتھ تھامے اور طلحہ نے حضور ؐ کو باہر

رسول اللہ ؐ کے مصائب

رسول اللہ ؐ اس جنگ میں طرح طرح کی تکلیفیں اور رنج سہتے ہیں، زخم کھاتے ہیں، دندانِ مبارک
سے خون جاری ہے، پیشانیٔ اقدس مجروح ہے، لہو بہہ رہا ہے مگر یادِ الٰہی میں مشغول
ہیں، زبانِ اقدس سے سرکارِ احدیت میں عرض کر رہے ہیں۔ بارالٰہا میری
قوم کو بخشدے۔ یہ تیرے نبی اور تیرے دین کی قدر نہیں جانتے۔[1]

سیدہ طاہرہ ؑ اور رسول اللہ ؐ کے زخموں کی مرہم پٹی

محدث شیرازی لکھتے ہیں کہ
جناب سیدہ ؑ خبرِ شہادت سرکارِ رسالت ؐ سن کر بے تاب ہوگئیں اور چودہ
مسلمان عورتوں کے ہمراہ میدانِ جنگ میں چلی آئیں۔ جب جناب سیدہ
کی نظر اپنے والد بزرگوار کے خون آلودہ چہرے پر پڑی تو بے قرار ہوکر رونے
لگیں۔ سرکارِ رسالت ؐ نے اپنی پارۂ جگر کو سینہ سے لگا لیا۔ اور دیر تک روتے
رہے۔ اسی اثنا میں حضرت علی ؑ بھی حاضر ہوئے۔ وہ اپنی ڈھال میں پانی
سیدۂ عالم فاطمہ ؑ نے دھونا شروع کیا لیکن زخم سے خون بند نہیں ہوتا
بالآخر سیدۂ طاہرہ ؑ نے پارچۂ حریر اور بروایت بخاری پارۂ حصیر جلا کر

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۴ معارج صفحہ ۱۰۰
[2] سیرت النبی صفحہ ۲۷۵ صحیح مسلم

ب خون بند ہوا۔[1]

کہتے ہیں کہ سیدہ طاہرہ کے علاوہ رسول اللہ کی تین بیٹیاں اور بھی تھیں،
جو اس معصومۂ کونین سے عمر میں بڑی تھیں۔ ان میں سے دو زندہ تھیں۔ خدا
معلوم وہ ایسے مصیبت کے موقعوں پر کیوں نظر نہیں آتیں۔ ع
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

شکست پھر فتح میں تبدیل ہو گئی

افسوس ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی طمع اور بزدلی نے بنا بنایا کام
بگاڑ دیا جس سے شوکتِ اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ اگر حضرت علی جیسا نامور
شجاع اس جنگ میں شریک نہ ہوتا تو دشمنانِ دین شمعِ رسالت کو اس روز
ضرور گل کر دیتے اور پھر مسلمانوں پر وہ بلا نازل ہوتی جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔
اسد اللہ الغالب نے معدودے چند جان نثاروں کے ساتھ احد کی
شکست کو فتح سے بدل دیا۔ ابو سفیان اپنی بقیہ فوج کو اکٹھا کر کے مکہ کی طرف
بھاگ گیا۔ رسول اللہ نے اس خیال سے کہ کفارِ قریش پلٹ کر دوبارہ مدینہ پر حملہ نہ
کریں ستر جانباز رضا کاروں کے ساتھ جو آپ کی طرح زخمی تھے ابوسفیان
اور اس کی فوج کا تعاقب کیا۔ اس تعاقب کا یہ بھی مقصد تھا کہ آس پاس
کے قبیلے یہ نہ خیال کریں کہ مسلمانوں کی طاقت ختم ہو چکی ہے۔ اب جو چاہے
انہیں تنگ کر سکتا ہے۔ مسلمانوں نے اس طرح کفارِ قریش کو بھگا دیا۔
اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں چار مہاجر اور باقی انصار تھے۔

---

[1] روضۃ الاحباب صفحہ ۲۷۰

حمزہؓ کی نعش پر حضورؐ کا نوحہ

سب سے المناک واقعہ شیرِ خدا حضرت حمزہ سید الشہداء کی شہادت تھی۔ سرکارِ رسالتؐ نے میدانِ جنگ کا جب ملاحظہ کیا تو حضرت حمزہؓ کی نعش کو دیکھا۔ ناک کان کٹے ہوئے ہیں۔ کلیجہ چرا ہوا ہے۔ حضورؐ کو انتہائی رنج ہوا۔ حکم دیا کہ حضرت حمزہؓ کی نعش پر چادر ڈال دو کہ ان کی بہن ان کو اس حالت میں نہ دیکھیں۔[1]

امیر حمزہؓ کے کفن کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ اگر پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا اور اگر سر کو ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھلے رہتے تھے۔ آخر سر کو چادر سے ڈھانپ کر پیروں کو گھاس اور پتوں سے ڈھانپ دیا۔ پھر رسول اللہؐ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا:-

یا حمزہ یا اسد اللہ واسد رسولہ یا فاعل الخیرات
یا حمزہ یا کاشف الکربات ، فطل بکاء۔

اے حمزہؓ! اے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے شیر، اے نیکیوں کو انجام دینے والے، اے مصیبتوں کو دور کرنے والے، کاش تجھ پر گریہ و بکا طولانی ہو۔[2]

حضرت صفیہؓ بھائی کی نعش پر

حضرت صفیہؓ کو بھائی کی خبرِ شہادت مل چکی تھی۔ بھائیؓ کے درد سے

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ خمیس
[2] تاریخ خمیس جلد اول ص۴۹۶ بحوالہ ذخائر العقبیٰ

دوڑی چلی آ رہی تھیں۔ سرکارِ رسالت کی نظر پڑ گئی۔ زبیرؓ ان کے صاحبزادے پاس کھڑے تھے۔ حکم دیا کہ ماں کو جا کر راہ میں روک دو۔ بھائی کی نعش کو اس حالت میں دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں گی۔ زبیر بن العوام دوڑے گئے، ماں کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رک سکیں۔ بیٹے سے اتنا کہا کہ میں کچھ نہ کروں گی بھائی کو آخری بار دیکھ کر چلی آؤں گی۔ چنانچہ یہ معظمہ بھائی کی نعش پر آئیں بھائی کی نعش کو حسرت آلود نگاہوں سے دیکھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، پڑھ کر ہٹ آئیں۔ ہٹنا تھا کہ غم و الم کا دل پر ہجوم ہوا۔ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں اور ان کے ساتھ جناب سیدہؓ اور دیگر خواتین ہاشمیہ مل کر فریاد و زاری کرنے لگیں۔ رسول اللہؐ سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ اس نوحہ خوان گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت صفیہؓ سے خطاب کر کے صدائے غم آلود سے فرمانے لگے :۔

"پھوپھی اماں! اب آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا مصیبت زدہ نہیں ہوگا پھر فرمایا۔ اے صفیہؓ! اے فاطمہؓ! تم کو بشارت ہو کہ جبرئیلؑ نے مجھے یہ خوش خبری دی ہے کہ ملائکہ ملاءِ اعلےٰ حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ ورسولہ کے القابات سے یاد کرتے ہیں [1]

رسول اللہؐ نے حضرت حمزہؓ کو ایک قبر میں، باقی اصحاب کو ایک قبر میں دو دو تین تین کر کے دفن کر دیا [2]

---

[1] روضۃ الاحباب ص ۲۷۶
[2] تاریخ ابن اثیر و تاریخ خمیس

حمزہؓ کی عزاداری کیلئے رسول اللہؐ کی تمنا اور اس کا اثر

جنگِ اُحد کے بعد آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو سارا مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو خیال ہوا کہ سب کے عزیز واقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خوان نہیں، رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا "لیکن حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں"۔ انصار نے یہ سُنا تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے جا کر اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ دو لتکدۂ رسالت پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ سرکارِ رسالتؐ نے دیکھا تو دروازہ پہ پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ حضرتؐ نے شکر گزاری کا اظہار کیا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے مخصوص ایّام میں عورتیں اپنے مقتول عزیزوں کا ماتم کیا کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہؓ کے ماتم سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندئ رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہؓ کی حقیقی محبت تھی[1]

رسول اللہؐ قبورِ شہداء پر

رسول اللہؐ کا واقعہ اُحد سے آٹھ برس اور اپنی وفات سے دو برس پہلے شہدائے اُحد کے مدفن کی طرف سے گزر ہوا۔ اس مقتل کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہو گئی

---

[1] سیرۃ النبی ص ۲۸۳ بحوالہ تاریخ کامل و تاریخ طبری ص ۱۴۲۸۔

صورتیں آنکھوں میں پھرنے لگیں ۔ بے اختیار ہو کر رو پڑے اور رونے میں ایسے کلمات درد آمیز جاری فرمائے جیسے کوئی اپنے عزیز کے مُردے سے ابھی ابھی جدا ہوتا ہے ۔ رقت کم ہوئی تو اس وقت آپ نے صحابۂ حاضرین کو مخاطب کرکے ایک طولانی خطبہ ارشاد فرمایا ۔ اس کے آخر میں فرمایا ۔ مسلمانو! مجھے تم سے یہ خوف نہیں کہ تم پھر مشرک بن جاؤ گے ۔ لیکن ڈر یہ ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ[1]

شہدائے اُحد اور حضرت ابوبکر

مالک بن ابی النضر مولیٰ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ اس کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ نے بہ تحقیق شہدائے اُحد کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا ۔ یارسول اللہ ! آیا ہم ان ہی کے بھائی نہیں ، ہم اسلام بھی لائے : جیسا کہ یہ لائے اور جہاد کیا ہم نے جیسا کہ انہوں نے کیا ۔ رسول اللہ نے فرمایا مجھے کیا معلوم ہے کہ میرے بعد تم کیا کیا نئے امور پیدا کرو گے راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر روئے اور بہت روئے اور پھر کہا ۔ کیا ہم آپ کے بعد بھی زندہ ہوں گے[2]

ولادت امام حسن علیہ السلام

۱۵ ؍ رمضان المبارک ۳ھ کو سرکار صلعم و اسن حضرت امام حسن علیہ السلام

---

[1] سیرۃ النبی بحوالہ بخاری

[2] موطا امام مالک ص ۱۸۳ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

کی ولادت ہوئی۔ پیدائش کے ساتویں دن سیدۂ عالم ایک بہشتی کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کے پاس لائیں۔ سرکارِ ختمی مرتبتؐ نے بکمال محبت گود میں لیا، وحی الٰہی کے مطابق عبرانی میں شبر اور عربی میں حسنؑ نام رکھا اور خود ہی عقیقہ فرمایا۔

ولادت امام حسین علیہ السلام

سنہ ۴ھ میں سرکارِ شہادت امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ حضورؐ کو جیسے ہی تولّد کی اطلاع ملی اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ میرے نومولود بچے کو لاؤ۔ اسماء نے تعمیلِ حکم کی۔ حضرتؐ نے چھوٹے نواسے کو گود میں لیا، اذان و اقامت کہی نام رکھا عقیقہ کیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات فرمائی۔

رحلت جناب فاطمہ بنت اسد

سنہ ۴ھ میں جناب امیر علیہ السلام کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے جنہوں نے رسول اللہؐ کو بیٹوں کی طرح پالا تھا اور رسول اللہؐ انہیں ماں سے بعد ماں کہا کرتے تھے انتقال فرمایا۔

سوالات

۱۔ غزوات کیسی لڑائیوں کو کہتے ہیں؟ یہ لڑائیاں کیوں لڑی گئیں؟۔

۲۔ بنی امیہ اور دوسرے معاند قبیلوں نے ان لڑائیوں کا سلسلہ کیوں شروع کیا؟

۳۔ غزوۂ بدر کے اسباب، اس میں کفار کی فوج کی تعداد اور حالت اور اسلامی فوج کی تعداد اور حالت لکھ کر لڑائی کے حالات بیان کرو۔

۴۔ بدر کی لڑائی، سرکارِ رسالتؐ کی دعا بیان کر کے اس پر تبصرہ کرو۔

۵۔ غزوۂ بدر کا ہیرو کون ہے اور کیوں؟

۶۔ غزوۂ بدر کے نتائج بیان کیجئے۔

۷۔ بدر کے قیدیوں سے کیا سلوک کیا گیا؟

۸۔ غزوۂ احد کے اسباب کیا تھے؟

۹۔ جنگِ احد میں کن شاعروں نے کس طرح حصّہ لیا؟

۱۰۔ لشکرِ کفار کی تعداد اور حالت بیان کیجئے۔

۱۱۔ لشکرِ اسلام کی تعداد اور حالت بیان کیجئے۔

۱۲۔ کفار کی عورتوں نے بالخصوص ہندہ نے کس طرح حصّہ لیا؟ اور اس سلسلہ میں ہندہ کے اشعار پر تبصرہ کیجئے۔

۱۳۔ غزوۂ احد کے پہاڑی درّہ کی اہمیت اور اس پر رسول اللہ کی ہدایت بیان کیجئے۔

۱۴۔ آغازِ جنگ کی کیفیت بیان کر کے حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ بیان کیجئے۔ اور بنو امیہ کی عورتوں کی سیرت پر

روشنی ڈالیے۔

۱۵۔ اُحد کی لڑائی میں کون کون کس طرح بھاگا؟

۱۶۔ قرآنِ مجید نے اپنے الفاظ میں اس فرار کی تصویر کس طرح پیش کی ہے؟

۱۷۔ اُحد میں جنابِ امیرؑ کے ثباتِ قدم کے حالات بیان کیجیے؟

۱۸۔ ام عمارہ کون تھیں؟ اُس نے اُحد میں اپنی جاں نثاری کا کس طرح ثبوت پیش کیا؟

۱۹۔ رسول اللہؐ کے مصائب کو بیان کیجیے۔

۲۰۔ سیدہ طاہرہؑ رسول اللہؐ کی خدمت میں کس طرح حاضر ہوئیں اور انھوں نے حضورؐ کی کس طرح مرہم پٹی فرمائی؟

۲۱۔ اُحد کی شکست پھر فتح میں کس طرح تبدیل ہو گئی؟

۲۲۔ حضرت حمزہؓ کی نعش پر رسول اللہؐ، حضرت صفیہ اور حضرت فاطمہؑ نے کس طرح گریہ و زاری فرمائی؟

۲۳۔ رسول اللہؐ نے حضرت حمزہؓ کی عزاداری کیلئے کس طرح تمنا کا اظہار فرمایا اور اس کا کیا اثر ہوا اور عزاداروں کیلئے دعا، کو بیان کرو۔

۲۴۔ رسول اللہؐ نے شہدائے اُحد کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت ابوبکر نے کیا کہا اور رسول اللہؐ نے کیا جواب دیا؟

نواں باب

غزوات (ب)

غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق

ذی قعدہ ۵ھ، مارچ، اپریل ۶۲۷ء

اسبابِ جنگ ۱۔ مدینہ طیبہ میں اسلام کی مسلسل ترقی کو کفارِ قریش کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جوں جوں اسلام کی اشاعت کی خبریں مکہ پہنچتی تھیں ان کے عناد کی آگ اور بھڑکتی تھی۔ اگرچہ اُحد کی لڑائی میں انہوں نے مسلمانوں کو شدید جانی نقصان پہنچایا تھا مگر پھر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔

۲۔ اُحد کی لڑائی میں عام وقار کو جو صدمہ پہنچا تھا اسے بہت جلد مسلمانوں نے بحال کر لیا۔ ان کے اثرات مشرق میں نجد تک اور شمال میں دومۃ الجندل تک پہنچ گئے۔ اس اثر و رسوخ کی وسعت سے کفارِ قریش نے یہ سمجھا کہ ان کے شام، عراق اور مصر جانے والے تجارتی قافلوں کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں۔ اور وہ اس معاشی نقصان کو بہت بڑا نقصان سمجھنے لگے۔

۳۔ مدینہ کے یہودیوں سے سرکارِ رسالت ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں انہیں نظامِ ملکی میں پورے حقوق دیئے۔ مگر وہ اس معاہدہ کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ ان کی ان ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلمانوں نے غزوۂ بدر کے بعد شوال ۲ھ میں بنی قینقاع کو اور غزوۂ اُحد کے بعد ربیع الاول ۴ھ میں بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا۔ ان دونوں یہودی قبیلوں کی جلاوطنی سے مدینہ طیبہ یہودی سازشوں سے پاک ہو گیا۔ لیکن خیبر اور وادی القریٰ کے یہودی چونکہ اس شاہراہ پر آباد تھے جو مدینہ سے شام اور بیت المقدس تک چلی گئی ہے، اس لئے وہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کی سازشوں سے اسلامی تجارتی قافلوں کے لئے خطرہ بن گئے اور انہوں نے اپنے معاشی اثرات سے بنی غطفان وغیرہ کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر لیا۔

۴۔ اسلام کو دنیا سے مٹانے کے لئے یہودیوں اور مشرکوں کا گٹھ جوڑ ہو گیا۔ اس مذموم اتحاد میں بنی غطفان، بنو سلیم، بنو سعد اور بنو اسد وغیرہ قبائل بھی شامل ہو گئے۔

ان تمام وجوہ سے کفار و مشرکین نے ایک ٹڈی دل فوج جمع کر لی جس کی تعداد کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھی۔

دو سال تک جنگی تیاریاں ہوتی رہیں۔ آخر شوال ۵ھ میں کفار نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔

عربی زبان میں حزب کے معنی جتھہ یا گروہ کے ہیں۔ چونکہ مشرکین و یہود نے مختلف قبائل کی جتھہ بندی سے شہر کا محاصرہ کیا تھا اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب یا جنگِ احزاب کہتے ہیں۔

اس جنگ کے لئے ابو سفیان چار ہزار فوج کے ساتھ مکہ سے نکلا تھا۔ راستے میں یہودی چھ ہزار فوج لے کر شامل ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کی تیاری، خندق اور مصائب

جب سرکارِ رسالتؐ کو مدینہ طیبہ میں لشکرِ عظیم کی خبر ملی۔ تو حضورؐ نے ان حالات میں صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان ایرانی تھے اور اپنے ملک کے طریقِ جنگ سے واقف تھے انہوں نے اپنے ملک کے دستور کے مطابق عرض کیا کہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے موقع پر اہلِ ایران خندق کھود کر مقابلہ کرتے ہیں اور اکثر کامیاب ہوتے ہیں، حضورؐ نے اس تجویز کو منظور فرمایا۔

مسلمانوں کی جمعیت تین ہزار سے زیادہ تھی۔ سب نے خندق کھودنا شروع کر دی۔ خندق کھودنے والوں میں سرکارِ رسالتؐ کی ذاتِ اقدس بھی تھی۔ اس واقعہ کے مہینوں پہلے سے مدینہ میں قحط تھا۔ کھجور کی پوری فصل تباہ ہو گئی تھی، خوراک کی کمی تھی، کفار کے حملہ کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا مسلمانوں پر فقر و فاقہ کی کیفیت طاری تھی۔ اس پر تند و تیز ہوا چل رہی تھی۔ ابر و باراں بھی تھا۔ دن دن بھر پتھریلی زمین کا کھودنا بڑے بڑے دلیروں کے کلیجے ہلے جا رہے تھے

علاوہ انہیں مشہور منافق عبداللہ بن اُبی کے ساتھیوں نے ان تکالیف سے گھبرا کر کھُلے لفظوں میں جناب رسالتمآب ؐ سے کہہ دیا کہ ہم تو شہر میں جائیں گے ہمارے گھر اور ہمارے بال بچے محفوظ نہیں ہیں۔ رسول اللہ ؐ نے انہیں چلے جانے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی کم تھی، ان لوگوں کے چلے جانے سے اور کمی آ گئی۔ غزوۂ اُحد میں ا منافقین کی آزمائش ہو چکی تھی اس لئے ان کا چلا جانا کوئی نئی بات نہیں تھی مگر ان کے چلے جانے سے کمزور دل مسلمانوں پر بھی کافی اثر پڑا اور وہ رسول اللہ ؐ سے فاقہ کی شکایت کرنے لگے۔ جب انہیں علم ہو کہ رسول اللہ ؐ بھی فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے خندق کھود رہے ہیں تو رونے لگے۔

جنگ کا آغاز خندق کا ختم ہونا تھا کہ دشمن بھی قریب کی پہاڑیوں پر آ موجود ہوا۔ جب مخالف کے لشکر نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے۔ بہت ڈر ایک تو لشکر کی کثرت دوسرے اس لشکر میں عمرو ابن عبدود جیسے نامی پہلوان کی موجودگی: جسے اہلِ عرب ہزاروں کے برابر سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں علامہ شبلی لکھتے ہیں[1]

"ان میں سب سے زیادہ مشہور عمرو ابن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔"

---

[1] سیرت النبی صفحہ ۴۱۳

عمرو ابن عبدود کی مبارز طلبی

عمرو ابن عبدود نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خندق کو پار کر کے مبارز طلب ہوا۔

اسلامی فوج کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی اس کے مقابلہ کے لئے نہیں نکلتا تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اصحاب رسول کے سروں پر جانور بیٹھے ہوئے تھے[۱]

حضرت عمرؓ نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا یہ تو عمرو ابن عبدود ہے مجھے س کی بے نظیر دلیری اور شجاعت کا تجربہ ہو چکا ہے۔ سفر میں ایک بار میرا اِن سے سابقہ ہو گیا۔ اثنائے راہ میں ڈاکو ہمارے قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ تنہا اسی شخص نے قزاقوں کی جماعت کثیر سے مقابلہ کیا۔ اثنائے مقابلہ میں اس کی سپر ٹوٹ گئی تو فوراً ایک اونٹ کی ٹانگ تھام کر اس کو اپنی سپر بنالیا۔ اور اکوؤں کے وار روکتا رہا۔ یہاں تک کہ تمام ڈاکوؤں کو اس نے بھگا دیا۔ میں اس کی عظیم طاقت و شجاعت دیکھ کر حیران ہو گیا[۲]

پہلے ہی فوج پر خوف طاری تھا، اس واقعہ کو سن کر اور حواس باختہ ہو گئے اس وقت جبکہ تمام صحابہ پر خاموشی طاری تھی حضرت علیؑ نے خدمت سالت میں عرض کیا:۔ "میں اس سے مقابلہ کروں گا" سرکار رسالتؐ نے روکا۔ پھر عمرو ابن عبدود نے مبارزہ طلبی کی حضرت علی مرتضیٰ نے پھر اجازت جنگ طلب کی۔ پھر حضورؐ نے روکا۔ تیسری مرتبہ عمرو ابن عبدود نے جو اشعار سلامی فوج کو مخاطب کر کے پڑھے ان کا ترجمہ یہ ہے:۔

تحقیق میری آواز تم لوگوں کو پکارتے پکارتے تھک گئی جب بہادر

---

[۱] روضۃ الاحباب
[۲] سیرۃ النبی ص ۲۱۳ — مدارج النبوۃ۔ حبیب السیر

نامردی کرتے تھے میں دلیروں کی صف میں کھڑا تھا، میں اسی طرح لوگوں کی صف میں دوڑتا پھرتا تھا کیونکہ جوانمرد کے لئے سخاوت اور شجاعت بہت اچھی صفت ہے[1]

حضرت علیؑ میدان میں

اس رجز پر جناب امیرؑ نے باصرار سرکارِ رسالتؐ سے میدان جنگ میں جانے کی اجازت چاہی حضورؐ نے اجازت دی، رسول اللہؐ نے اپنی تلوار ذوالفقار حضرت علیؑ کو عطا کی۔ اپنی زرہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی، اپنی دستار مبارک ان کے سر پر رکھی اور ایک روایت کے مطابق اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور کہا۔ بارالہٰا تو عمرو کے مقابلے میں علیؑ کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا۔ الہٰی تو نے عبیدہؓ کو بدر کے دن مجھ سے لے لیا اور حمزہؓ کو احد کے دن مجھ سے جدا کر لیا یہ علیؑ میرا بھائی ہے اور ابنِ عم ہے۔ تو مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے[2]۔ جب علیؑ عمرو ابن عبدود کے مقابلہ کے لیے نکلے تو رسول اللہؐ نے فرمایا۔ برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ۔ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکلا ہے[3]

---

[1] ارجح المطالب جلد ا ص ۲۱، مطالب السؤل، ذخائر العقبیٰ، روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ
[2] روضۃ الاحباب
[3] حیٰوۃ الحیوان، حاکم، سیرۃ المحمدیہ، فردوس الاخبار، مناقب خوارزمی، اربعین رازی، روضۃ الاحباب ص ۳۷۶۔ اخبار منادی دہلی ۵۔ ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء مقالہ علامہ حسنی شاہ نظامی حیدر آبادی

حضرت علیؑ کا رجز

حضرت علی بجا بانہ شان سے میدانِ جنگ میں آئے اور عمرو ابن عبدود کے مقابلہ میں جو رجز
ھا اس کا ترجمہ یہ ہے :-

اے عمرو تجھ پر افسوس ہے، تیرے پاس وہ آرہا ہے جو تیری آواز
کے جواب دینے میں عاجز نہیں اور صاحبِ ارادہ و بصیرت ہے
اور سچ یہ ہے کہ ایک کامیاب بہادر کو زندگی سے نجات دینے
والا ہے۔ میں بیشک اللہ سے امید رکھتا ہوں، بوڑھی عورتوں
کے بین تجھ پر جاری کراؤں گا اور معرکوں میں میری ضرب کا ذکر
باقی رہ جائے گا۔[1]

مرو کا قتل و فتح خندق

الغرض عمرو ابن عبدود سے مقابلہ ہوا عمرو کی تلوار حضرت علیؑ کی سپر کاٹتی
سر تک پہنچی۔ حضرت علیؑ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمرو کا سر کئی قدم
فاصلہ پہ جا کر گرا۔ حضرت علیؑ کی تکبیر سن کر مسلمانوں کا نعرہ بلند ہوا
را" عمرو مارا گیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھے پھر بقیہ کفار سے لڑائی
طرفین سے چند آدمی مارے گئے۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری
ت زخمی ہوئے، آخر وہ کفار جو خندق پھاند کر آئے تھے بھاگ گئے، بھاگتے
ے نوفل کا گھوڑا خندق نہ پھاند سکا۔ اور خندق میں جا گرا۔ علی مرتضیٰ
خندق میں کود کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے ہو گیا، پھر دشمنوں کا

[1] مطالب السئول،

تعاقب کیا گیا۔ عکرمہ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے زخمی ہوا۔ ضرار ابن خطاب
مرداس فہری حضرت علیؓ کی صورت دیکھتے ہی بھاگا۔ حضرت عمرؓ نے بھاگتا دیکھا
پیچھا کیا۔ وہ پلٹ پڑا اور نیزہ کا وار کرنا چاہا۔ پھر یہ کہکر کہ اگر میں نے عہد کیا ہو
کہ کسی قریشی کو نہ ماروں گا تو قتل کر ڈالتا، رُک گیا اور نیزہ کو سر پر چھپا کر کہا۔
نعمت مشکورہ ہے جو میں نے تم پر ثابت کی۔ جاؤ یاد رکھنا اور احسان نہ بھولنا
عمرو ابن عبدود کو مار کر حضرت علی نے اس کی زرہ جو نہایت قیمتی تھی
نہ اُتاری اور اس کا سر لا کر آنحضرتؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت نے
فرمایا:۔

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ۔

"خندق میں علیؓ کی ایک ضربت عبادتِ دو جہان سے بہتر ہے"

ابوسفیان کا حوصلہ پست ہو گیا۔ اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بازگشت
کا حکم دیا، کچھ رات رہے دشمن کی فوج میں سے قریشی مکہ کی طرف اور
ان کے مددگار اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسلمان یہ
خبر سن کر مسرور ہوئے اور خوشی خوشی مدینہ واپس آئے۔

غزوۂ احزاب یا خندق کے نتائج

۱۔ یہ جنگ ایسی فیصلہ کن جنگ تھی کہ اس کے
قریش کا زور ٹوٹ گیا اور طاقت اس قدر کم ہو گئی کہ پھر انہیں مدینہ پر حملہ
کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

لے روضۃ الاحباب۔ ازالۃ الخفاء حمیں

۲۔ اس فتح سے تمام قبائلِ عرب پر مسلمانوں کی فوجی طاقت کا سکہ بیٹھ گیا۔ کفارِ قریش کی عظمت ان کی نگاہوں سے گر گئی اور وہ سرکارِ رسالتؐ کو اہم ترین سیاسی قوت سمجھنے لگے اور آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

۳۔ انخلائے یہود۔ اس سے قبل یہودیوں کے دو قبیلوں بنو قینقاع اور بنو نضیر کو مدینہ چھوڑنے پر مجبور کیا جا چکا تھا۔ اب مدینہ میں صرف ایک یہودی قبیلہ بنو قریظہ آباد تھا۔ معاہدۂ مدینہ کے لحاظ سے ان کا اہم فریضہ تھا کہ وہ جنگِ خندق میں شہر کے دفاع میں حصہ لیتے مگر وہ حملہ آوروں سے ملے ہوئے تھے۔ جب ان کی غداری اور مخالفت بالکل ظاہر ہو گئی تو انھیں مدینہ سے نکال دیا گیا۔ اور مدینہ کو ان کے وجود سے پاک کر دیا گیا اور یہ بات مرکزِ اسلام کی مضبوطی کا باعث ہوئی۔

۴۔ اس لڑائی کے بعد ینبع اور مدینہ کے درمیان جو قبیلے آباد تھے انھوں نے سرکارِ رسالتؐ سے معاہدے کر لیے۔ ان معاہدات سے کفارِ قریش پر مصر و شام کے تجارتی راستے تنگ بلکہ بالکل بند ہو گئے۔ ادھر اسلامی اثرات نجد تک پہنچ گئے۔ بلکہ نجد سے گزر کر یمامہ تک پھیل گئے۔ یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال مسلمان ہو گیا۔ اس سے کفارِ قریش کے لیے عراق کا تجارتی رستہ بھی مسدود ہو گیا۔ اس طرح سے کفارِ قریش مسلمانوں کے نرغہ میں گھر گئے۔ تجارتی راہیں

مسدود ہو جانے سے غلہ اور دوسری ضروریات زندگی کی درآمد بند ہوگئی
چنانچہ کفارِ قریش معاشی اور اقتصادی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔

سوالات

۱- غزوۂ خندق کے اسباب بتلائیے۔ نیز اس جنگ کے لئے کفار کی تیاریوں کا بھی تذکرہ کیجئے۔

۲- غزوۂ خندق میں مسلمانوں کی مشکلات کا ذکر کرکے بتلائیے کہ مسلمانوں نے کیا کیا جنگی تدابیر اختیار کیں

۳- آغازِ جنگ کو بیان کرکے عمرو ابن عبدود کی مبارز طلبی کو بیان کیجئے۔ اس مبارز طلبی کا مسلمانوں پر کیا اثر ہوا اور لوگوں نے کیا کہا۔ نیز اس کا جنگ پوزیشن پر کیا اثر پڑا؟

۴- حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا میدان میں آنا آپ کا رجز اور آپ کی جنگ بیان کرکے فتح جنگ خندق کو بہ تفصیل بتلائیے۔

۵- رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کے میدان میں آنے کے وقت حضرت علیؑ کے متعلق کیا فرمایا تھا؟

عمرو ابن عبدود کے قتل پر کیا فرمایا۔ نیز حضرت علیؑ نے عمرو بن عبدود کی زرہ کے متعلق کیا کیا؟

۶۔ جنگ خندق کے موقعہ پر سرکارِ رسالتؐ نے سرکارِ احدیت میں کیا دعا کی تھی؟

۷۔ غزوۂ خندق کے نتائج کو بالتفصیل لکھیئے۔

دسواں باب

صلح حدیبیہ

ذیقعد ۶ھ، مارچ ۶۲۸ء

صلح حدیبیہ مسلمانوں کے دلوں میں خانہ کعبہ کا انتہائی احترام تھا۔ اگرچہ بیت اللہ کو اس وقت کفار قریش نے بت کدہ بنا رکھا تھا مگر یہ وہی اسلامی عبادتگاہ تھی، جسے اسلام کے صاحب ملت حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے تعمیر فرمایا تھا اور مرکز توحید قرار دیا تھا۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ چھ برس سے مسلمان حرم محترم کی زیارت سے محروم تھے۔ عام مسلمانوں کے دل میں بالعموم اور مہاجرین مکہ کے دل میں بالخصوص حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہونے کا جذبہ موجود تھا۔ اس لئے سرکار رسالت، چودہ سو مسلمانوں کی معیت میں زیارت بیت اللہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آنحضرت قریش سے جنگ کرنے کی نیت سے نہیں نکلے تھے۔ صرف قربانی کے اونٹ ساتھ تھے اور تلوار کے سوا کوئی اسلحہ کسی مسلمان کے پاس نہیں تھا۔ اور تلوار ایک ایسا ہتھیار تھا جسے عرب کسی حالت میں اپنے جسم سے الگ نہیں

کرتے تھے۔ مکہ معظمہ زمانۂ جاہلیت میں بھی "بلد الامین" تھا۔ اور عرب کے بین القبائی قانون کے مطابق بدترین مجرم کو بھی زیارت سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور زمانۂ حج میں حرم کے حدود میں کشت و خون کا امکان نہیں تھا۔

جب سرکارِ رسالت مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو حضور کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ جنگ پر آمادہ ہیں اور وہ مسلمانوں کو فریضہ حج سے مستفید ہونے نہیں دیں گے۔ اس پر مسلمان سخت پریشان اور برافروختہ ہو گئے۔ مگر پیغمبرِ امین نے حدیبیہ نامی ایک کنوئیں پر قیام فرمایا۔ اور ایک قاصد روانہ کیا۔ قاصد نے سرکارِ رسالت کی طرف سے بیان کیا کہ ہم لوگ طواف کعبہ، زیارت بیت اللہ اور قربانی کے لئے آئے ہیں۔ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے اس لئے زیارت کعبہ میں رکاوٹ نہیں ہونا چاہئے۔ مگر قریش نے انکار کر دیا۔ حالانکہ قریش کے دوست حلیس بن علقمہ کنانی نے جو قبائل احابیش کا سردار تھا انہیں سمجھایا کہ زیارت کی اجازت دینا چاہئے۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ بلکہ قریش کے چند سرپھرے نوجوان آنحضرت پر حملہ کرنے کے لئے آگئے۔ جنہیں گرفتار کر کے سرکارِ رسالت کے حضور میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس اقدام سے درگزر فرمایا اور انہیں رہا کر دیا۔

اس کے بعد قاصدوں کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے آیا کہ وہ واپس چلے جائیں۔ ورنہ قریش جو کثیر فوج کے ساتھ جنگ کے لئے آمادہ ہیں۔

انہیں آج ختم کر دیں گے۔ مگر حضورؐ نے جواب دیا کہ ہمارا مقصد فساد نہیں ہے
صرف فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں عروہ کا
ہاتھ جناب رسالتمآبؐ کی داڑھی کو لگ گیا۔ ایک صحابی نے عروہ کے
ہاتھ پر چرمی مار کر ہٹایا اور کہا یہ کیا گستاخی ہے؟ اس کے بعد عروہ واپس
چلا گیا۔ مگر وہ بے حد متاثر ہو کر گیا۔ اس نے کفار قریش سے جا کر کہا:
"میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ مگر مسلمانوں
کے دل میں محمدؐ کی جو عزت و عظمت ہے میں نے کہیں نہیں
دیکھی، کسی کی جرأت نہیں کہ آپؐ کی طرف اونچی نظر کر کے دیکھے
جب وہ بات کرتے ہیں تو مسلمانوں پر ایک خاموشی کا عالم
طاری ہوتا ہے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا
ہے اسے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اپنے منہ پر ملتے ہیں۔ اس
لئے میری رائے میں انہیں حج کی اجازت ملنی چاہئے۔"
مگر قریش نے اس کی رائے مسترد کر دی اور اجازت نہ دی۔ عروہ کی
واپسی کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا کہ تم قریش سے جا کر
کہو کہ رسول اللہ تم سے لڑنے نہیں آئے بلکہ صرف حج کے ارادے سے
آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ قریش میرے دشمن
ہیں۔ اور وہاں میرا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ البتہ آپ
حضرت عثمانؓ کو بھیج دیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ قریش انہیں عزیز رکھتے ہیں[1]

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر، روضۃ الاحباب، حبیب السیر

پس حضرت عثمان کو شرفائے قریش کے پاس روانہ کیا گیا، قریش نے حضرت عثمان کی بڑی خاطر داری کی کیونکہ آپ ابوسفیان کے رشتہ کے بھتیجے تھے اور بنی امیہ ہی سے تھے۔ اور کہا اے عثمان! اگر تیرا ارادہ حج کرنے کا ہے تو بے شک طواف کر جا۔ حضرت عثمان نے کہا میں رسول اللہؐ کے بغیر کس طرح طواف کروں۔ قریش نے خفا ہو کر ان کو گرفتار کر لیا۔

بیعتِ رضواں اس موقعہ پر تمام صحابہؓ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع ہو کر اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنی جان دے دیں گے۔ کفار کو ماریں گے اور خود مر جائیں گے۔ مگر اس مقام سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ اس بیعت کو "بیعتِ رضواں" کہتے ہیں۔ جابرؓ نے کہا ہے کہ یہ بیعت ہم نے اس لیے کی تھی کہ بھاگیں گے نہیں۔ اور کبھی لڑائی سے منہ نہیں موڑیں گے۔ یہ بیعت کرنے والے "اصحابِ شجرہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض مؤرخین نے ان کی تعداد چودہ سو اور بعض نے پندرہ سو پچیس لکھی ہے[۱]۔

الغرض جب صحابہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے تو قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کی غرض سے سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں بھیجا اور حضرت عثمان کو رہا کر کے سہیل کے ساتھ بھیج دیا۔ رسول اللہؐ نے قریش مکہ کا یہ جارحانہ اقدام دیکھ کر صلح کی عرضداشت کو شرفِ قبولیت بخشا۔

---

[۱] تاریخ کامل ابن اثیر، طبری، حبیب السیر

بڑی دقت کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کے شرائط حسب ذیل تھے۔

شرائطِ صلح

۱۔ رسول اللہؐ اس سال مع اپنی جماعت کے بغیر حج کئے واپس جائیں۔

۲۔ دس سال تک آپس میں جنگ نہ ہو۔

۳۔ اگر کوئی مکہ والوں میں سے جا کر مسلمانوں میں شامل ہو جائے، تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔

۴۔ اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مشرکین کے پاس آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ عرب کے تمام قبیلوں کو اختیار ہے کہ چاہے وہ محمد رسول اللہ کے ساتھ معاہدہ کریں یا کفارِ مکہ کے ساتھ ہو جائیں۔

۶۔ سالِ آئندہ مسلمانوں کو مکہ کی زیارت کا حق ہوگا۔ لیکن وہ وہاں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کر سکیں گے۔

۷۔ مسلمان اپنے سفری اسلحہ کے ساتھ آ سکتے ہیں یعنی تلوار ڈال کر غلاف میں رکھ کر۔

حضرت عمر کا رسول اللہؐ سے مکالمہ

حضرت عمر اس معاہدہ پر بہت بگڑے، چنا

حضرت عمر خود بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت رسول اللہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا۔ کہ کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں میں سچا نبی ہوں۔ پھر میں نے کہا۔ کیا ہم مسلمان حق

نہیں ہیں اور ہمارے دشمن جھوٹے پر حضورؐ نے فرمایا ہاں اسی طرح ہے عمر نے کہا ہم اپنے دین کی اتنی کمزوری کیوں دکھلا رہے ہیں (یعنی اتنے لشکر کے ہوتے ہوئے کفار سے صلح کیوں کر رہے ہیں) رسول اللہؐ نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا [1]

حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس دن میرے دل میں بہت بڑا خدشہ پیدا ہوا میں نے بار بار نبی سے دریافت کیا اور اس قدر تکرار کی کہ اس سے پہلے کبھی میں نے رسول اللہؐ سے اس طرح تکرار نہیں کی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر بھی حضرت عمر کی تسلی نہ ہوئی اور صبر نہ ہو سکا۔ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور یہی کہا۔ کیا یہ نبی، اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ نہیں سچے نبی ہیں [2]

حضرت عمر کے الفاظ ہیں:۔

ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ

اسلام لانے کے بعد سے مجھے کبھی ایسا شک نہیں ہوا جیسا کہ اس روز [3]۔ (یوم صلح حدیبیہ)

رسول اللہؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ تم صلح نامہ تحریر کرو۔ اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۰ باب شرائط الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ [2] فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۸۰۔ [3] تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۶ ص ۷۷۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ ص ۵۵۔ زاد المعاد جلد ۱ ص ۳۴۶۔ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۲۔ معالم التنزیل بغوی جلد ۴ ص ۲۷۴ و ص ۲۷۵۔

اس پر سہیل نے کہا ہم یہ نہیں جانتے۔ باسمک اللّٰھم لکھوائیے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ خیر یونہی لکھ دو۔ جب یہ لکھ چکے تو فرمایا۔ یا علیؑ! اب لکھو۔ یہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہؐ نے قریش سے کیا۔ سہیل نے کہا کیا خوب اگر ہم آپ کو رسول جانتے تو آپ سے لڑتے ہی کیوں؟ آپ اپنا نام اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے۔ حضرت نے یہ بھی منظور کر لیا۔[1]

کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام محمد رسول اللہ لکھ چکے تھے۔ سرکارِ رسالتؐ نے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو محو کر دو۔ اور محمدؐ بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؑ نے بغرضِ ادب عرض کیا۔ یہ کام مجھ سے کس طرح ہو سکتا ہے کہ وصفِ رسالت کو محو کر دوں۔[2]

حضرت علیؑ کا لفظ رسول اللہ محو کرنے سے انکار بلحاظ ترکِ حکم نہ تھا بلکہ ادب و غایت عشق اور محبت رسول پر مبنی تھا۔ اس پر رسول اللہؐ نے خود محو کر دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔[3] رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا تم کو بھی ایک زمانہ میں یہی دن پیش آنے والا ہے۔[4]

چنانچہ جنگِ صفین کے بعد صلح نامہ لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ ہے امیر المومنین

---

[1] تاریخ ابوالفداء۔ [2] حبیب السیر تذکرۃ الکلام [3] مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۲۰۳

[4] شواہد النبوۃ معارج النبوۃ ۔ مدارج النبوۃ ۔ تاریخ کامل تاریخ خمیس ، حبیب السیر اور روضۃ الاحباب

کا معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ ۔ تو معاویہ کی طرف سے عمرو عاص
نے کہا کہ لفظ امیر المومنین محو کردو اور اس کے بدلے علی ابن ابی طالب
لکھو۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ
وآلہ وسلم نے ۔ اور عمرو عاص کے کہنے پر اسے منظور فرمایا۔
الغرض صلح نامہ حدیبیہ کے تحریر ہونے کے بعد ابو سفیان نے
مسرت تغلیں بجائیں اور قریش کے مجمع میں کہا اب ہم نے محمدؐ کو دبا لیا
عنقریب ہم ان کی طاقت کو ختم کر دیں گے۔ لیکن اس کی یہ مراد
پوری نہ ہوئی۔
قریش مکہ سے یہ صلح نامہ طے ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے
اصحاب کو قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت عمر
کے اظہار شک کی وجہ سے اور لوگوں میں بھی کچھ بددلی پیدا ہوگئی اس
لئے لوگوں نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنے میں کچھ دیر کی اور پہلو تہی
کی آنحضرتؐ ناراض ہو کر ام المومنین ام سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف
لے گئے اور ان سے مسلمانوں کی اس حرکت کے متعلق شکایت فرمائی
حضرت ام سلمہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ باہر تشریف لے جا کر خود
قربانی فرمائیں اور سر اقدس منڈوالیں ۔ پھر یہ سب حضورؐ کے اتباع و
پیروی میں قربانی بھی کرلیں گے اور سر بھی منڈالیں گے [1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۵

صلح حدیبیہ کے نتائج

رسول امینؐ نے صلح نامہ حدیبیہ میں ایسی شرائط پر جو بعض رسالت کی معرفت رکھنے والے مسلمانوں پر شاق گزری تھیں، اس لئے بھی صلح فرمائی تھی تاکہ امن کے علمبردار رسول پر جارحانہ حملہ کا الزام عائد نہ ہو۔ جن لوگوں نے اس صلح نامہ پر بددلی کا اظہار کیا تھا انہیں کیا معلوم تھا کہ اس صلح نامہ کی شرائط میں سیاست ربانیہ کے کیا کیا مصالح مضمر ہیں اس کے نتائج قابلِ غور ہیں۔

۱۔ ۶ھ تک سرکار رسالتؐ عرب قبائل اور ان کے حلیف یہودیوں سے برسرِ پیکار تھے۔ اس لئے عام غیر مسلموں کو امن کی فضا میں رسول اللہؐ کی بات سننے اور ان کی مصلحانہ شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اس لئے اسلام کی اشاعت و تبلیغ پیمانہ پر نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ اسلام روز بروز ترقی کر رہا تھا مثلاً بدر میں مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی تو اُحد میں سات سو ہو گئی جنگ خندق میں ترقی کر کے یہی تعداد تین ہزار تک جا پہنچی۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام نہایت وسعت سے پھیل گیا۔ اور یہ امن کی اس سازگار فضا کا نتیجہ تھا، جو ایسی شرائط سے جسے عوام کمزور شرائط کہتے ہے پیدا ہوئی تھی۔

۲۔ اکثر قبائل عرب کفارِ مکہ کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے مسلمانوں سے دور رہتے تھے۔ اب اس معاہدہ کی رو سے انہیں چھٹی مل گئی

اور وہ آزاد تھے کہ کفارِ مکہ سے معاہدہ کریں یا مسلمانوں سے۔ رسول اللہ ؐ اس معاہدہ کے بعد خود بنفسِ نفیس ان کے پاس گئے۔ بہت سوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت سوں نے آپ سے دوستانہ معاہدے کر لئے۔

۳۔ جو مسلمان مشرکین کے پاس چلے جاتے تھے اور انہیں چوتھی شرط کے مطابق واپس نہیں کیا جاتا تھا، وہ وہاں اپنی زبان سے بھی اور اپنے عادات و اخلاق سے بھی مستقل طور پر نشر و اشاعت اسلام کا ذریعہ تھے

۴۔ جو مکہ والے چند روز مسلمانوں میں رہ کر واپس ہوتے تھے، وہ مسلمانوں کے حسن سلوک اور اوضاع و اطوار کو بیان کر کے تبلیغ کے فریضہ کو انجام دیتے تھے۔

۵۔ جو وقت قریش کے ساتھ لڑائیوں کی تیاریوں میں صرف ہوتا تھا، وہ محض تبلیغ اسلام میں صرف ہونے لگا۔

یہ اس صلح ہی کا نتیجہ تھا کہ ڈیڑھ سال کے بعد جب سرکارِ رسالت ؐ عازمِ مکہ ہوئے تو دس ہزار مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔

ان نتائج کی وجہ سے بعض مؤرخین نے صلح نامۂ حدیبیہ کو رسول اللہ ؐ کی دور بینی، معاملہ فہمی، سیاسی تدبر اور فراست کا شاہکار کہا ہے۔ اور قرآن حکیم نے اسے "فتح مبین" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

خالد بن ولید اور عمرو عاص کا اظہارِ اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد خالد بن ولید

اور عمرو بن العاص جیسے معاندین اسلام نے بھی اظہارِ اسلام کر دیا۔

عمرة الصلح

دوسرے سال رسول اللہؐ معاہدہ کے مطابق حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مشرکین حقیقتاً اپنے جذبۂ عناد سے مجبور تھے۔ وہ واقعی سرکارِ رسالتؐ اور ان کے متبعین مسلمانوں کو بیت اللہ کے پاس اپنے طریق سے باطمینان عبادت کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے تین دن کے لئے انہوں نے شہر خالی کر دیا۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ ولیم میور لکھتا ہے :۔

"وہ منظر عجیب وغریب تھا، جو اس وقت وادیٔ مکہ میں نظر آرہا تھا۔ ایک منظر جو دنیا کی تاریخ میں آپ اپنی نظیر ہے، قدیم شہر تین روز کے لئے اپنے تمام باشندوں سے خالی ہو گیا ہے۔ جن میں بلند وپست سب ہی شامل ہیں۔ ایک ایک مکان ویران ہے اور جب وہ جا رہے ہیں تو وہ نئے لوگ جو مدتوں سے جلاوطنی میں دن گزار رہے تھے، خوشی خوشی اپنے بچپن کے خالی مکانوں کی جانب دوستوں کے ساتھ لمبے لمبے قدم بڑھاتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اور تھوڑے سے معین وقت کے اندر ہی عمرہ بھی بجا لا رہے ہیں۔ شہر کے بیرونی باشندے بلندیوں پر چڑھ کر نو واردوں کی آمد ورفت کو دیکھ رہے ہیں۔ جو رسول اللہؐ کی قیادت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے ہیں"[1]

---

[1] Life of Mohammad by William Muir

سوالات

- صلح حدیبیہ کے ابتدائی حالات کو بیان کیجئے۔ سرکار رسالت م مکہ معظمہ کس غرض کے لئے تشریف لے گئے اور وہ کیا صورت حالات پیدا ہوئی۔ اور اس سے رسول اللہ م کس طرح عہدہ برآ ہوئے۔

- صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کفار قریش کے کیا ارادے تھے ان کا کس طرح انکشاف ہوا۔ رسول اللہ م کے قتل کا ارادہ کرنے والوں سے رسول اللہ م نے ان کے گرفتار ہونے کے بعد کیا سلوک کیا؟

- صلح حدیبیہ پر رسل و رسائل کی مفصل کیفیت بیان کیجئے؟ اور اس رسل و رسائل کے اثرات بھی بتلائیے

- کیا کفار سے بات چیت پر حضرت عمر بھی ہمدرد ہوتے تھے؟ انہوں نے اس تقریر پر کیا جواب دیا؟

۵- اس موقعہ پر حضرت عثمان کی سفارت کے حالات و اثرات بیان کیجئے۔

گیارہواں باب

حکمرانوں کو دعوتِ اسلام

۷ھ مطابق ۶۲۸ء

سرکارِ رسالت محمد مصطفٰے ارواحنا و ارواح العالمین لہٗ الفدا
محض خطۂ عرب کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کی اصلاح کے لئے مبعوث کئے
تھے، اس مصلحِ اعظم کی غرضِ بعثت تمام عالم کی اصلاح تھی۔ اس دن
ساری دنیا کی حالت ایک مصلح کی ضرورت کا اعلان کر رہی تھی، آپ سا
دنیا میں توحید، اخوتِ انسانیہ اور مساوات کا پیغام پہنچانا چاہتے تھے
اور ان برائیوں کو جو اس زمانہ میں تباہی و بربادی کا سبب تھیں دور کر کے
انسانیت کو درجہ کمال تک پہنچانے کے متمنی تھے۔ قرآنِ حکیم صا
الفاظ میں اعلان کر رہا تھا کہ حضور کسی خاص سرزمین کے لئے نہیں
تمام دنیا کے لئے نبی اور رسول ہیں۔ کسی خاص زمانہ کے لئے نہیں
بلکہ قیامت تک کے لئے ہدایتِ عالم کے کفیل ہیں۔ آپ کے
کوئی نبی یا رسول مبعوث ہونے والا نہیں۔ بلکہ آپ خاتم الانبیاء

ہیں۔ اس حقیقت پر قرآن حکیم کے اعلانات ان کھلے الفاظ میں روشنی ڈال رہے تھے۔

۔ تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً۔

"وہ ذات پاک بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام عالمین کے لئے نذیر ہو۔"

۔ وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین

"(اے حبیبؐ) ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ تو عالمین کے لئے رحمت ہو۔"

۔ وما ارسلناک الا کافۃً للناس بشیراً ونذیراً

"(اے حبیبؐ) ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور عذابِ خدا سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

۴۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً

"(اے حبیبؐ) کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کے لئے رسول ہوں۔"

اسی لئے حضورؐ نے اسلام کو "دنیا کے واحد مذہب" کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اور جب کہ رسول اللہؐ کے یک جدی قریش پورے طور پر مسلمان نہیں ہوئے تھے آپ کی دعوت پر کئی غیر عرب افراد نے

لبیک کہا۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ جو ایران کے رہنے والے تھے حضرت صہیب رومی، حضرت بلال حبشی اور حضرت عداس نینوائی مسلمان ہو چکے تھے صلح حدیبیہ سے پہلے کفارِ عرب کی فتنہ انگیزیوں نے فضا کو کشیدہ بنا رکھا تھا۔ اس لئے ایسا موقعہ نہیں آیا کہ مصلح اعظم اطمینان سے ان کے حکمرانوں تک اپنا پیغام بھیج سکے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں عرب کا اکثر حصہ حلقۂ اسلام میں آچکا تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ان تمام حکمرانوں کو جن کے مقبوضات عرب سے ملحق تھے دعوتِ اسلام دیں۔ یہ دعوت ان حکمرانوں کو انفرادی طور پر نہیں بلکہ ان کی وساطت سے ان کی رعایا کے لئے بھی تھی۔ جن کے وہ نمائندہ اور حکمران تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ نے جن حکمرانوں کے پاس اپنے قاصد بھیجے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

۱- کسرٰیِ ایران - ایران اس زمانہ میں مہذب دنیا میں ایک منظم حکومت تھی۔ شاہِ ایران اس زمانہ میں "کسرٰی" یا "خسرو" کے لقب سے مشہور تھا۔ ایران پر ساسانی خاندان کی حکومت تھی اور بعض عرب سے ملحقہ ریاستیں اس سلطنت کی باجگذار تھیں۔ حضرتؐ نے عبداللہ بن حذافہ کو خط دے کر اس زمانہ کے تاجدار خسرو پرویز کے دربار میں بھیجا۔ رسول اللہؐ کا قاصد مدائن پہنچا اور حضورؐ کا دعوت نامہ دیا۔ خسرو پرویز نے غصّہ میں آکر حضورؐ کے خط کو پھاڑ ڈالا اور یمن کے حکمران باذان کو جو ایران کا باجگذار تھا خط لکھا کہ

حجاز کے اس مدعیِ رسالت کو گرفتار کرکے ہمارے دربار میں بھیج دو۔

آنحضرتؐ نے جب یہ خبر سنی تو فرمایا اس نے میرے دعوت نامہ کو نہیں پھاڑا بلکہ اپنے فرمانِ سلطنت کو چاک کر دیا ہے۔ عنقریب اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو جائے گی اور وہاں اسلام کا بول بالا ہوگا۔

یمن کے باجگذار حاکم باذان نے اپنے دو سرداروں کے ماتحت فوج کا ایک دستہ مدینہ بھیجا، ان لوگوں نے رسول اللہؐ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر اللہ کا رسول کسریٰ کے دربار میں نہیں جائے گا تو خسرو پرویز مدینہ پر حملہ کرکے اسے تباہ و برباد کرے گا۔ حضورؐ نے اس کے جواب میں فرمایا تم مجھ کو اس کے پاس کیا لے جاؤ گے۔ وہ تو شبِ گذشتہ قتل ہو چکا ہے۔ وہ لوگ واپس ہوئے۔ جب یمن پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔ اس پر یمن کا حکمران بہت متاثر ہوا اور اس نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ سرکارِ رسالتؐ کی تعلیمات اور حضورؐ کے اخلاق و کردار کا اس پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

۲۔ قیصرِ روم۔ مشرقی سلطنت روما کا عیسائی تاجدار ہرقل تھا۔ حضرت دحیہ کلبیؓ سرکارِ رسالتؐ کا خط لے کر اس کے پاس حمص پہنچے اگرچہ وہ اسلام لانے کی سعادت سے محروم رہا۔ مگر اس نے حضورؐ کے ایلچی سے نہایت اچھا برتاؤ کیا۔ مشرقی رومی سلطنت

اس زمانہ کی بہت بڑی طاقتور سلطنت تھی۔

۳۔ حبش کا بادشاہ جس کا لقب "نجاشی" اور نام اصحم بن الجبر تھا ایک سمجھدار عیسائی بادشاہ تھا۔ اس نے مسلمانوں سے جو ہجرت کرکے اس کے ملک میں گئے تھے اچھا برتاؤ کیا تھا۔ حبش کی حکومت مشرقی رومی سلطنت کی باجگذار تھی۔ رسول اللہ ؐ نے عمرو بن امیہ الضمری کو حبش کے دربار میں بھیجا۔ نجاشی، حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ کی تقریر سے متاثر ہوکر پہلے ہی مسلمان ہوچکا تھا۔ اب رسول اللہ کے قاصد کی دلجوئی کی اور اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے انتقال پر رسول اللہ ؐ نے مدینہ میں اس کے لئے دعائے خیر کی

۴۔ بحرین۔ بحرین پر منذر بن ساوی حکمران تھا۔ اور اس کی ریاست ایران کے زیر اثر تھی۔ علاء بن الحضرمی اس کے پاس دعوت نامہ لے کر پہنچے۔ اس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ بلکہ اس کی رعایا کا اکثر حصہ مسلمان ہوگیا۔ جو لوگ مسلمان نہ ہوئے ان پر ٹیکس عائد کیا گیا جو جزیہ کہلاتا ہے۔ یہ ٹیکس اس لیے تھا کہ اُن سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور ان کی جان، ان کے مال اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جاتی تھی۔ یہ ٹیکس ان کی حفاظت اور ان کی فوجی خدمات سے سبکدوشی کا معاوضہ تھا۔

۵۔ عمان۔ عمان میں جلندری کے بیٹے جیفر اور عبد دونوں بھائی حکمران تھے۔ رسول ؐ کا دعوت نامہ عمرو عاص لے کر پہنچا۔ اس خط سے

متاثر ہو کر دونوں بھائیوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ بلکہ ان کے اثر سے ان کی اکثر رعایا مسلمان ہو گئی۔

۶۔ مصر۔ مصر کا عیسائی تاجدار مقوقس کہلاتا تھا۔ اس زمانہ میں مقوقس مصر جریج بن متی تھا۔ حاطب بن ابی بلیعہ اس کے دربار میں سفیر ہو کر گئے۔ اگرچہ اُس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مگر مصلح بنی آدم حضرت محمد مصطفٰے ؐ کی تعلیمات کو سن کر آپ کو دعائے خیر سے یاد کیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے۔ جن میں چند کنیزیں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک کنیز ماریہ قبطیہ تھیں۔ جن سے رسول اللہؐ نے عقد فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ رسول اللہؐ کے فرزند ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ ان تحائف میں دلدل نامی ایک خچر بھی تھا جو سرکارِ رسالتؐ نے حضرت علی مرتضٰیؓ کو عطا فرمایا۔ مصر کی حکومت اس وقت مشرقی رومی سلطنت کے ماتحت تھی۔

۷۔ یمامہ۔ یمامہ کا عیسائی حکمران ہوذہ بن علی تھا۔ اس کے پاس سلیط بن عمرو سرکارِ رسالتؐ کا دعوت نامہ لے کر گئے۔ اس نے اس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ عالمِ اسلام پر اس کی نصف حکومت کو تسلیم کر لیا جائے۔ چونکہ اس شرط میں حکومت کا لالچ شامل تھا اور رسول اللہؐ اسلام کی حقانیت کو بغیر لالچ اور طمع کے تسلیم کرانا چاہتے تھے اس لئے اس کی شرط کو مسترد کر دیا گیا۔

۸۔ حدودِ شام۔ منذر بن حارث قیصر روم کی طرف سے حدود

شام پر حکمران تھا۔ شجاع بن وہب اسدی حضورؐ کا دعوت نامہ لے کر پہنچے۔ پہلے تو اس نے غصہ میں آ کر مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی مگر بعد میں حضورؐ کے قاصد کو عزت و احترام سے رخصت کیا۔ مگر مسلمان نہ ہوا۔

۹۔ حاکم بُصریٰ۔ سرحدِ شام پر مدینہ کے شمال میں بُصریٰ ایک اہم مقام تھا۔ وہاں کا سردار شرجیل غسانی تھا۔ سرکارِ رسالتؐ نے حارث بن عمرؓ کو اس کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ اس نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی اور موتہ کے مقام پر انہیں شہید کروا دیا۔

رسول اللہ کا وہ دعوت نامہ جو حضورؐ نے مقوقس مصر کو لکھا تھا اب تک مصر کے شاہی کتب خانے میں محفوظ ہے اور جو دعوت نامہ ہرقل کو لکھا تھا وہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

سنہ ۶ھ اور سنہ ۷ھ کے شروع میں جبلہ غسانی اور ثمامہ بن اثال حاکم نجد مسلمان ہو گئے۔

ان دعوت ناموں کی ترسیل سے اسلام کی بیرونی ممالک میں نشر و اشاعت شروع ہو گئی۔

سوالات

۱۔ ثابت کیجئے کہ سرکارِ رسالتؐ تمام عالمین کے لئے مبعوث ہوئے؟
۲۔ سرکارِ رسالتؐ نے عرب سے باہر اپنی مہم کا کس طرح آغاز فرمایا؟
۳۔ سرکارِ رسالتؐ نے ایران کے بادشاہ کو جو دعوتِ اسلام دی تھی اس کے واقعات پر روشنی ڈالئے۔
۴۔ ہرقل اور نجاشی کے دعوت ناموں کی کیفیت بیان کیجئے۔
۵۔ بحرین، عمان، مصر کے دعوت ناموں کے حالات بیان کیجئے۔
۶۔ یمامہ اور حدودِ شام کے دعوت ناموں کے اثرات بیان کیجئے۔
۷۔ حارث بن عمرو کی شہادت کے حالات بتائیے اور نجد میں اسلام کے اثرات بیان کیجئے۔
۸۔ ان دعوت ناموں کا مجموعی طور پر کیا اثر ہوا تھا؟

بارہواں باب

مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات

فتح خیبر ۷ھ ۶۲۸ء

علیؑ فاتح خیبر و معمارِ سلطنت اسلامیہ

حجاز میں یہودیوں کی پوزیشن

یہودی شام اور فلسطین پر حکمران تھے۔ مگر دوسری صدی عیسوی میں رومیوں نے اس صیہونی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ یہودی مجبور ہو کر شام کی سرحد سے نکل کر حجاز میں آ گئے اور وسط حجاز تک آباد ہو گئے۔ مدینہ سے لیکر شام کی سرحد تک وہ آباد تھے اور انہوں نے اپنے قلعے تیار کر لئے تھے۔ یہ قلعے ان کی فوجی چھاؤنیاں بھی تھیں اور ان کی تجارت کی منڈیاں بھی تھیں۔

مدینہ میں ان کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ یہ قبیلے نہایت مقتدر تھے مدینہ کے رہنے والے بنی اوس اور بنی خزرج زراعت پیشہ تھے۔ ان کے مقابلہ میں یہودی بیحد متمول اور متمدن تھے۔ تجارت پیشہ کاروباری بھی تھے اور سود خوار بھی تھے۔ یہ لوگ مدینہ کے معاشی وسائل

پر قابض تھے۔ بنی اوس و خزرج ان کے مقروض تھے۔ معاشی خوشحالی کی وجہ سے یہودیوں کی تعلیمی حالت بھی دوسرے لوگوں سے بہتر تھی۔

خیبر، فدک، تیما اور وادی القریٰ میں یہودیوں کی بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں اور دفاعی قلعے تھے۔ اس لئے انہیں حجاز میں عسکری اقتدار (Marshal Domination) حاصل تھا اور تجارت کے لحاظ سے انہیں معاشی اقتدار (Economical Domination) بھی حاصل ہو چکا تھا۔ خیبر، فدک و تیما کی زمینیں نہایت حاصل خیز تھیں۔ یہودیوں کے تمول نے وہاں آب رسانی کے ذرائع مہیا کر لئے تھے اس لئے وہ اور زیادہ زرخیز ہو گئی تھیں۔

قدیم زمانے میں یہودیوں کی کثرت مال نے جس طرح سپین اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہود کو وہاں کے ملکی نظم و نسق کا ایک خوفناک جزو بنا دیا تھا اسی طرح عرب میں بھی وہ خوفناک صورت اختیار کر چکے تھے اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر سارے عرب پر صیہونی حکومت کے منصوبے بنا رہے تھے۔

سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ ؐ کو ہجرت کے بعد قیام مدینہ میں یہودیوں سے واسطہ پڑا۔ ابتدا میں یہود نے یہ خیال کر کے کہ سرکارِ رسالت ؐ حضرت موسیٰؑ کے احترام کی تلقین فرماتے ہیں اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں حضور ؐ سے تعاون کیا اور ان کا خیال تھا۔ اس تعاون سے ان کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہو جائے گا۔ آنحضرت ؐ نے یہود سے معاہدہ کیا جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں جس میں انہوں نے آنحضرت ؐ کو اپنا حکم قرار دے کر ہر معاملہ میں ان کے فیصلہ کو ماننے کا عہد کیا اور دفاع شہر کے وقت مسلمانوں کی اعانت

کا اقرار کیا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ مسلمانوں کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھیں گے۔ اگر یہودی اس معاہدے پر قائم رہتے تو ان کے لئے بہتر اور نہایت مفید تھا۔ مگر انہوں نے شرارتیں شروع کر دیں۔ ان کے اس تغیر کے اسباب یہ تھے :۔

۱۔ قبول اسلام کے بعد اہالیانِ مدینہ کی اصلاح کا کام سرکارِ رسالتؐ نے شروع فرمایا۔ ان کی عادتیں سدھرنے لگیں۔ ان کی فضول خرچی میں کمی ہوئی۔ وہ قرضوں سے سبکدوش ہونے لگے۔ ان کی معاشی حالت میں بہترین انقلاب رونما ہوا۔ ان حالات سے یہودیوں کے سود کی آمدنی میں کمی ہوئی ان کی اقتصادی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ اس لئے وہ اسلام کی مخالفت کرنے لگے۔

۲۔ سرکارِ رسالتؐ نے شریعتِ موسوی کی صحیح تصویر پیش کر کے ایسے عقائد فاسدہ کو جو بعد میں دینِ موسوی میں شامل ہو گئے تھے خارج کرنا چاہا اس لئے یہودی حضورؐ کے سخت مخالف ہو گئے۔

۳۔ سرکارِ رسالتؐ نے یہودیوں کی ذلیل کاریوں کی اصلاح شروع کی۔ ان کو فسق و فجور سے روکا اور صالحانہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اس لئے وہ مخالف ہو گئے۔

۴۔ یہودیوں کو اسلام کے اصول سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف نظر آئے یہ امر بھی ان کی مخالفت کا سبب ہوا۔

ان وجوہ سے یہودی اسلام کے دشمن بن گئے۔ اور منافقوں کے

مائل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سکیمیں بنانے لگے۔ یہ حالت آنحضرت کے لئے تشویش کا باعث ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تسلی کے لئے یہ آیۂ مبارکہ نازل فرمائی:۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّا اَذًی ط وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ o

(سورۃ آل عمران آیت ۱۱۱ پ ۴ ع ۲)

" اگر اہل کتاب (یہودی) بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور بہت سے نافرمان ہیں۔ سوائے ایذا پہنچانے کے وہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دکھلائیں گے یعنی بھاگیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔"

قرآن مجید کے اس بیان سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے:۔

اوّل۔ اگر یہودی ایمان لے آتے تو ان کے لئے اچھا تھا۔

دوم۔ تا نزول آیہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ " اگر تم سے لڑیں گے" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

سوم۔ قرآن مجید نے پیشگوئی فرمائی کہ یہودی مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھائیں گے۔ پیٹھ دکھلا کر بھاگیں گے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں فتح ہوگی۔

بنی قینقاع کا اخراج

باوجودیکہ سرکارِ رسالتؐ نے یہودیوں کو د
میں پوری آزادی بھی دی اور مسلمانوں کے
برابر حقوق بھی دیئے تھے مگر وہ مدینہ میں برابر ایسی شرارتیں کر رہے تھے جو شر
کے منافی تھیں۔ چنانچہ ایک روز ایک مسلمان عورت بازار میں سے گزر رہی تھی ا
یہودی نے اس سے نازیبا مزاح کیا۔ ایک انصاری، یہودی کی اس قبیح حر
کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے غیرت انسانی اور حمیت اسلامی کے جوش میں ا
یہودی کو اسی وقت قتل کر دیا۔ بازار یہودیوں کا تھا۔ انہوں نے حملہ کر
اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ سرکارِ رسالتؐ کو جب اطلاع ہوئی تو حضور
موقعہ پہ پہنچے اور آپ نے صدرِ مملکت کی حیثیت سے مدینہ کے قانون
مطابق تصفیہ کی کوشش فرمائی۔ مگر یہود نے پرواہ نہ کی۔ بلکہ اکڑ کر کہا۔
قریش نہیں۔ اگر جھگڑا ہوا تو بتلا دیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں؟ اس کے ب
نقضِ عہد کر کے ایک طرح سے اعلانِ جنگ کر دیا۔ چنانچہ مسلمان بھی مقا
کے لئے آمادہ ہو گئے۔ یہودی اپنی کمزوری کو محسوس کر کے "آطام" میں قلعہ
ہو گئے۔ مدینہ میں یہودیوں کے چھوٹے چھوٹے قلعے تھے۔ ان کے مجموعہ
کو "آطام" کہتے تھے۔ مسلمانوں نے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس پر دو
یہودی قبیلے خاموش رہے، پندرہ دن محصور رہ کر اس بات پہ راضی ہو گئے کہ
سرکارِ رسالتؐ صدرِ مملکت مدینہ کی حیثیت سے جو فیصلہ ان کے متعلق فرمائیں
گے انہیں منظور ہو گا۔ چنانچہ حضورؐ نے دستور کے مطابق فیصلہ کیا کہ بنی قینقاع مد
کو چھوڑ کر چلے جائیں اور کوئی شخص ان سے تعرض نہ کرے۔ اس فیصلہ کے

مطابق وہ مدینہ کی سکونت ترک کر کے سرحدِ شام کی طرف چلے گئے اور "اذرعات" کے مقام پر جا بسے۔ بنی قینقاع کے اخراج کا یہ واقعہ ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد پیش آیا۔

کعب بن اشرف کی فتنہ پردازیاں اور اس کا قتل

کعب بن اشرف یہودیوں میں بڑا فتنہ
تھا۔ شرارت کا پتلا اسلام کا شدید ترین مخالف تھا۔ یہ مذہب کے لحاظ سے یہودی اور نسب کے لحاظ سے عرب تھا۔ اس کا باپ اشرف قبیلۂ طے سے تھا۔ مدینہ کے یہودیوں کے مذہبی پیشوا اور تاجرِ حجاز ابورافع نے اشرف کو اپنی بیٹی دے دی، اس کے بطن سے کعب بن اشرف پیدا ہوا تھا۔

کعب شاعر بھی تھا اور اپنے اشعار میں اسلام کی مذمت کیا کرتا تھا۔ اس نے مدینہ کے علمائے یہود سے مخالفتِ اسلام کا عہد بھی لے رکھا تھا۔ بدر کی لڑائی کے بعد یہ بدر کے کفار کشتوں کی تعزیت کے لئے مکہ پہنچا اور مقتولین کفار کی موت پر اس نے مرثیہ لکھا اور اپنے اشعار میں انتقام کے لئے لوگوں کو ابھارا اور ابوسفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقامِ غزوۂ بدر عہد لیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کے لئے سازشیں کرنے لگا۔ حضورؐ نے اہلِ مدینہ کے خلاف اس کی جدوجہد کو مدینہ کی پنچایت کے سامنے بھی پیش کیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اسے قتل کی سزا دی جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ اسی سزا کا مستحق تھا۔ کیونکہ مدینہ کی سلامتی کے خلاف اس کی جدوجہد حد سے بڑھ چکی تھی۔ اس کا قتل ۳ھ میں ہوا۔

قضیۂ بنی نضیر

معاہدہ کے باوجود بنی نضیر قریش سے برابر سازشیں ک
تھے۔ قریش نے جنگ بدر سے پہلے بنی نضیر کو لکھا
وہ رسول اللہؐ کو قتل کر دیں۔ مگر بنی نضیر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بنی قینقاع
مدینہ سے اخراج بھی ان کے جذبۂ عداوت کی آگ بھڑکانے کا سبب ہوا
کی رو سے انہیں غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی مدد کرنا تھا۔ مگر یہ اندرونی طور پر
کی مدد کرتے رہے۔ رسول اللہؐ نے غزوۂ اُحد کے بعد بنی نضیر اور بنی قریظہ
نئے سرے سے معاہدہ کرنے کے لئے کہا۔ بنی قریظہ نے تو معاہدہ کی تجدید
کی۔ مگر بنی نضیر نے صاف انکار کر دیا۔ ربیع الاول ۴ھ مطابق اگست ۶۲۵ء
کو رسول اللہؐ محلہ بنی نضیر میں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے نیچے [illegible]
چند یہودیوں سے باتیں کر رہے تھے کہ عمرو بن جحاش یہودی نے آپؐ کے سر
ایک بھاری پتھر گرانے کا قصد کیا۔ حضورؐ کو بروقت اطلاع ہو گئی۔ آپؐ ا
مقام سے ہٹ گئے اور اس طرح بال بال بچ گئے۔ سرکارِ رسالتؐ ایک
مدت تک ان کی ایسی حرکات سے درگذر فرماتے رہے اور یہ حضورؐ کے
کا ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔ آخر پانی سر سے گزر گیا اور ان آستین کے سانپوں
کا تدارک ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ جب ان کے محلہ کا محاصرہ کیا گیا تو قلعہ
ہو گئے۔ آخر ان کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہوا کہ یہ مدینہ کو چھوڑ کر جہا
چاہیں چلے جائیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی رعایت کی گئی کہ یہ اپنا منقولہ
ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ بنی نضیر اونٹوں پر سوار ہو کر گاتے بجاتے مدینہ
سے نکل گئے اور خیبر کے گرد و نواح میں آباد ہو گئے۔

بنی قریظہ کا انجام

یہودیوں میں سے بنی قریظہ ایک ایسا قبیلہ تھا کہ جس سے مسلمانوں کے غزوۂ احزاب تک تعلقات اچھے تھے مگر غزوۂ خندق میں بنی نضیر نے بنی قریظہ کو بھی مخالفتِ اسلام پر آمادہ کرلیا۔ جب اس جنگ میں مدینہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو بنی قریظہ بھی سخت مخالفت پر اُتر آئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے آطام پر جہاں مسلمان عورتیں محفوظ تھیں حملہ کردیا۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے بڑا نازک وقت تھا مدینہ کا محاصرہ سخت ہوگیا تھا۔ منافقین بھی اندرونی خلفشار کا سبب تھے کہ بنی قریظہ نے اس نازک وقت میں مخالفت شروع کردی۔ جنگِ خندق فتح ہوئی اور سرکارِ رسالتؐ مدینہ میں تشریف لائے۔ حضورؐ کا معمول تھا جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے سیدۂ عالم فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لے جاتے۔ ۲۲ ذی قعدہ حضورؐ فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف فرما تھے۔ ہتھیار اتار کر بیٹھے تھے اور معصومہؑ کونین فاطمہؑ کپڑوں کا گرد وغبار جھاڑ رہی تھیں کہ حضورؐ کو بنی قریظہ کی مہم کا آغاز کرنا پڑا (روضۃ الاحباب)

مسلمانوں نے ملک سے غداری کی سزا دینے کے لئے بنی قریظہ کے محلہ کا محاصرہ کرلیا۔ چند دنوں کے بعد یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم حضرت سعد بن معاذ انصاری کو جو اُن کے حلیف تھے حَکم بناتے ہیں۔ جو فیصلہ وہ ہمارے حق میں کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ اگر بنی قریظہ سرکارِ رسالتؐ کو حَکم قرار دیتے تو انہیں وہی سزا ملتی جو اس سے قبل دوسرے یہودی قبیلوں کو مل چکی تھی مگر حضرت سعد بن معاذ نے جو بنی قریظہ کی

لیے نازک وقت میں غداریوں سے رنجیدہ خاطر تھے ان کے حق میں توریت ا
فیصلہ دیا جس سے وہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔ توریت کا یہ حکم ہے
اگر دشمن صلح پر راضی نہ ہو تو اس کا محاصرہ کیا جائے۔ جب وہ مغلوب
جائے تو اس کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے اور مال غنیمت اور عورتوں
بچوں کو اسیر بنا کر ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا جائے۔ یہود خود ا
دشمنوں سے یہی سلوک کیا کرتے تھے۔ چونکہ یہی ان کی مذہبی کتاب کا
تھا۔ اب نازک ترین صورتِ حالات میں بنی قریظہ کی غداری اور معاہدہ
خلاف ورزی پر ان کے اپنے تسلیم کردہ حکم نے ان کی اپنی مذہبی کتا
کے مطابق یہ فیصلہ کیا جو انہیں قبول کرنا پڑا۔ چنانچہ ان کے تقریباً چار سو
مرد اسی فیصلہ کی رو سے قتل کئے گئے۔ یہ واقعہ اپریل ۶۲۷ء
ذی الحجہ ۵ھ کا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ اسی جنگِ خندق میں ز
ہوئے تھے اور انہوں نے یہ فیصلہ اپنے بسترِ علالت پر صادر فرمایا تھا
فیصلہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

جنگِ خیبر ۷ھ ۶۲۸ء

خیبر خیبر عبرانی لفظ ہے۔ اس کا ماخذ (Roote) لفظ خیبر
جو قلعوں کے معنی میں ہے۔ خیبر مدینے سے جانب شمال
منزل یعنی ۹۲ میل کے فاصلہ پر یہودیوں کا ایک قصبہ تھا۔ جہاں
سے قلعے تھے اسی قصبہ کے نام پر اس کے متعلق یہودی۔ فو ج آباد

(Jewish Colony) کا نام خیبر تھا۔ یہ نو آبادی ایک نخلستان ہے جس کی زمین پیداوار کے لحاظ سے نہایت زرخیز ہے۔ یورپ کا سیاح مسٹر ڈاؤٹی (Doughty) جس نے ۱۸۷۶ء میں عرب کی سیاحت کی ہے مہینوں خیبر میں رہا ہے۔ اس نے تحقیق و انکشاف کی نظر سے خیبر کی چھان بین کی ہے، اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

"نخلستان خیبر کی زمین زرخیز ہے۔ قوم یہود کے یہاں بڑے بڑے مضبوط اور مستحکم قلعے بنے ہوئے تھے، ان میں سے چند قلعوں کے آثار اب تک باقی ہیں اور قائم ہیں"

غزوۂ خیبر کے اسباب

(۱) بنی نضیر کے یہودی مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کے گرد و نواح میں آباد ہوئے تھے۔ انھوں نے گرد و نواح کے تمام قبائل کو اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا تھا بلکہ وہ قریش اور بنی غطفان کو اکسا کر خندق کی لڑائی کا باعث ہوئے اور مدینہ پر حملہ کرا دیا تھا۔ اس لڑائی میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ سے عرب کا مایۂ ناز بہادر عمرو بن عبدود مارا گیا۔ مخالفوں کی اس شکست سے کمر ٹوٹ گئی۔

۲۔ غزوۂ خندق کے باعث بھی وہ چین سے بیٹھتے نظر نہیں آتے تھے۔ قضیہ بنی قریظہ ہوا اور اس میں یہود کا سردار حیی بن اخطب خود بھی قتل ہو گیا اور اس کا جانشین ابو رافع سلام بن الحقیق جو یہودیوں میں ملک التجار تھا۔ اس نے غطفان اور ارد گرد کے مشرکین عرب کو جنگ پر ترغیب دے کر اور رسول اللہ کے خلاف لڑنے پر بھڑکا کر ایک مجمع کثیر جمع کر لیا تھا۔ جب

لہ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶

حرالطیہ، القموص۔ القموص سب سے مضبوط قلعہ تھا، اس قلعہ کا محافظ مرحب نامی پہلوان تھا جو اکیلا ایک ہزار نوجوان کے برابر مانا جاتا تھا۔ یہ یہاں فوج کا کمانڈر تھا۔ ابورافع ابن الحقیق کا خاندان جو مدینہ سے جلاوطن ہو آیا تھا اسی قلعہ میں آباد تھا۔ یہود دوربین اور ہوشیار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے حملہ کے پیش نظر مدافعت کے انتظامات درست کر لئے تھے غلہ، رسد، ضروریات زندگی کو ناعم میں رکھ دیا تھا۔ فوجیں نطاۃ اور القموص کے قلعہ میں جمع کردی تھیں۔ القموص فوجی مرکز تھا اور باقی قلعوں دوسرے سامانوں کے لئے منتخب کیا تھا۔

خیبر کی طرف مسلمانوں کی روانگی

سرکار رسالت محمد مصطفےٰ نے چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ کیا۔ اور منزل صہبا پر پہنچ کر قیام فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رستے بہت ہی پیچ دار اور ٹیڑھے تھے اور خاردار جھاڑیوں کے گھنے جنگل میں سے گزرتے تھے اور یہ معلوم ہونا دشوار تھا کہ کونسا رستہ صحیح ہے اور سیدھا خیبر پہنچتا ہے۔ یہ بھی ضرورت تھی کہ فوج سہل رستے سے اس قدر جلد خیبر پہنچ جائے کہ غطفان کے قبائل یہود کے پاس جمع ہونے نہ پائیں اور فوج کو اس طرح سے متعین کر دیا جائے کہ یہودیوں اور غطفان کے قبیلوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ چنانچہ رہنمائی کے لئے حسیل نامی رہنما اجرت پر ہمراہ لے لیا گیا۔ اسلامی لشکر صہبا سے روانہ ہوا حدی خوان اشعار پڑھ رہے تھے۔ عامر بن اکوع کے اشعار مسند احمد حنبل

میں ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے :۔

"جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے، جب کبھی وہ
کوئی فتنہ بپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان سے دبتے نہیں ہیں، اور اے
خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہیں[1]۔"

ان اشعار سے صاف عیاں ہے کہ یہ جنگ محض خوشنودی خدا کے لئے مدافعانہ تھی اور فتنہ و فساد مخالفوں نے بپا کیا تھا۔

اسلامی لشکر اور چھوٹے چھوٹے قلعوں کی فتح

اسلامی لشکر کی تعداد چودہ سو تھی اور کچھ مسلمان عورتیں بھی مجاہدین کی مرہم پٹی اور علاج (تیمارداری) کے لئے ہمراہ تھیں سب چھوٹے چھوٹے قلعے آہستہ آہستہ فتح ہو گئے۔ صرف قلعہ القموص رہ گیا۔ یہ قلعہ سب قلعوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھا[2]۔ یہی وہ آخری قلعہ تھا جس پر یہودیوں کی قسمت کا فیصلہ تھا۔ اور یہی وہ قلعہ تھا جس کے متعلق مسلمانوں کا عظیم ترین امتحان ہوا قلعہ القموص کی مہم پر بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے۔ قلعہ فتح نہ ہوا مسلمانوں پر مایوسی چھا گئی۔ آخر قلعہ القموص حضرت علیؑ کے ہاتھ سے فتح ہوا۔

قلعۂ القموص پر مسلمانوں کے حملے اور ناکامی

سرکار رسالتمآبؐ نے حضرت ابوبکر کو خیبر کے قلعہ کی طرف لڑائی کے لئے بھیجا، وہ لڑے اور کوشش

---

[1] سیرۃ النبی شبلی ص ۲۵۳ [2] زرقانی جلد ۲ ص ۲۶۳

کی مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا اور ناکام واپس آئے۔ دوسرے دن حضرت عمر کو جھنڈا دے کر بھیجا وہ لڑے اور کوشش کی لیکن فتح نہ ہو سکا اور واپس آئے۔ اس پر جناب رسول خدا نے فرمایا قسم بخدا کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا، جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں کرار غیر فرار ہے[1]

حیدر کرار فاتح خیبر

جناب علی مرتضیٰ علم لے کر قلعۃ القموص پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے یہودیوں کے بڑے بڑے بہادر قتل کر دیئے جن کے نام حارثؔ، مرحبؔ، عنترؔ، داؤد بن قابوس، ربیع بن الحقیق، مرہ بن مردان، یاسر خیبری، ضیجیج خیبری ہیں[2]

خیبر حضرت علی مرتضیٰ کرار غیر فرار کے ہاتھ سے فتح ہو گیا۔ اسی لئے آپ کو فاتح خیبر کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے جو پیشینگوئی کی تھی کہ یہودی اگر تم

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۸۵ و صفحہ ۳۸۶، تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد ۲ صفحہ ۸۳ صفحہ ۸۴، تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳، تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۵۳ تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۴۰۔ روضۃ الاحباب صفحہ ۳۸۵، کتاب الخصائص امام نسائی صفحہ ۱۱ و صفحہ ۱۳، تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۱۵، مستدرک علی الصحیحین الحاکم جلد ۳، کتاب المغازی، ریاض النضرہ جلد ۲ باب ۴ فصل ۶ صفحہ ۱۸۴۔ بالفاظ مختلفہ مندرجہ بالا کتب میں یہ روایت وارد ہوئی ہے۔

[2] فواتح علامہ میبذی صفحہ ۱۴۷، صفحہ ۱۸، صفحہ ۲۳۰، صفحہ ۱۱۹ روضۃ الاحباب صفحہ ۳۸۸، مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ سیرۃ النبی

سے لڑیں گے تم پیٹھ دکھلا کر بھاگیں گے۔ دو روز تک پوری نہیں ہوئی تھی تیسرے روز مصدق قرآن، علی ابن ابی طالبؑ کے دستِ حق پرست سے پوری ہوئی

جب جناب رسالت مآبؐ کو خیبر کے فتح کی یہ کیفیت معلوم ہوئی، آپ نہایت مسرور ہوئے اور جب حضرت علیؑ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے خیمہ سے نکل کر ان کا استقبال کیا۔ اور جب قریب آئے تو ان سے بغل گیر ہوگئے۔ اور حضرت علیؑ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا۔ تمہاری سعی مشکور ہوئی اور اے علیؑ میں تم سے رضامند ہوا۔ یہ سن کر حضرت علیؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا یا علیؑ یہ گریۂ مسرت ہے یا گریۂ اندوہ وحسرت۔ عرض کیا گریۂ مسرت ہے، اور میں کیونکر مسرور نہ ہوں جب اللہ کا رسولؐ مجھ سے راضی ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ میں تنہا تم سے راضی نہیں ہوں بلکہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی تم سے راضی وخوشنود ہیں[1]

غزوہ خیبر کے نتائج

۱۔ یہودی جو عرب میں صیہونی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے ان کے خواب پریشاں ہوگئے۔ اور یہودیوں کا عرب پر اقتدار ختم ہوگیا۔ عرب کو یہودی غلامی سے بچانا فاتح خیبر کا کارنامہ ہے۔

۲۔ قیام حکومت۔ غزوہ خیبر اسلامی سلطنت کا سنگِ بنیاد ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

---

[1] روضۃ الاحباب صفحہ ۳۹۵

"یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ خیبر اس قاعدہ کے مطابق اسلام کا پہلا غزوہ ہے۔[1]

اس بیان سے ظاہر ہے کہ اس سے پہلے جس قدر اسلام کو جنگی فتوحات حاصل ہوئیں، ان میں اسلام کو نظام حکومت کے قیام کا موقع نہ ملا۔ یہ غزوہ خیبر تھا جس میں مسلمان راعی بنے اور یہود نے اپنا رعایا ہونا تسلیم کیا اس لحاظ سے فاتح خیبر کو "اسلامی سلطنت کا معمار" (Builder of Islamic State) کہنا مبالغہ نہیں۔ اگرچہ اس سے قبل فتوحات میں بھی حضرت علیؓ ہی نمایاں نظر آتے ہیں۔

۲۔ توسیع سلطنت۔ یہ غزوہ نہ محض اسلامی سلطنت کے قیام کا سبب تھا بلکہ توسیع سلطنتِ اسلامیہ کا باعث ہوا۔ چنانچہ علامہ شبلی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"فتح خیبر کے دبدبہ سے جو علاقے تیما، وادی القریٰ اور فدک مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ بھی نہایت زرخیز تھے۔"[2]

اس سے ظاہر ہے کہ یہ فاتح خیبر کا دبدبہ تھا کہ فتح خیبر کے بعد خیبر سے ملحقہ یہودی نوآبادیاں (Jewish Colonies) کو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور ان کا الحاق سلطنت اسلامی سے ہو گیا۔

---

[1] سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۵۲ [2] سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۶۸

۴۔ معاشی انقلاب۔ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ایسے نازک معاشی دور سے گزر رہے تھے کہ انہیں سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے "ہم نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھایا مگر فتح خیبر کے بعد[۱]"

ام المومنین بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں۔ "جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے[۲]"

اگر مسلمان اسی طرح مفلس و قلاش رہتے جیسا کہ وہ فتح خیبر سے پہلے تھے تو وہ روما اور ایران جیسی منظم سلطنتوں کو کس طرح فتح کر سکتے تھے۔ منظم سلطنتوں سے مقابلہ کے لئے معاشی ذرائع ضروری ہیں۔ جسے فتح خیبر نے مہیا کیا۔

اراضی مفتوحہ خیبر فتح خیبر کے بعد خیبر کی متعلقہ اراضی پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ مگر یہودیوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی ان اراضی کو یہودیوں کے قبضہ میں ہی رہنے دیا جائے۔ اس شرط پر کہ وہ ان اراضی کی نصف آمدنی دربار رسالت میں پہنچا دیا کریں گے اور نصف اپنے تصرف میں لائیں گے۔ حضورؐ نے اسے منظور فرما لیا

خیبر کا خمس رسول اللہؐ نے خمس کی رقم بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو عنایت فرمائی اور بنی امیہ اور بنی نوفل کو نہیں دی۔ اور آپؐ نے

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۹ طبع اصح المطابع دہلی

[۲] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۹ طبع اصح المطابع دہلی

فرمایا کہ بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب ایک ہی ہیں۔[1]

حضرت صفیہ خیبر کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ خیبر کے مال غنیمت میں آئیں اور آزادی کے بعد انہیں رسول اللہ کے نکاح میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی فتح خیبر کے دن ہی حضرت جعفر مدت کے بعد وطن میں واپس آئے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرطِ محبت سے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور ارشاد فرمایا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ میں اپنی ان دو خوشیوں میں سے کس پر زیادہ اظہار مسرت کروں، فتح خیبر پر یا جعفر کے آنے پر۔"

فدک جب رسول اللہ نے معاملات خیبر سے فراغت پائی تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ فدک کے قلوب میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ انہوں نے خود نصف حاصل فدک پر مصالحت کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں قاصد بھیجا۔ آپؐ نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ اور فدک آنحضرتؐ کا خالصہ قرار پایا۔ اس لئے کہ اس کے حصول میں جہاد و جنگ نہیں ہوا تھا اور سوار و پیادہ سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔[2]

فدک رسالتمآبؐ کا خالصہ قرار پایا۔ اس لئے۔ کہ بغیر لشکر کشی کے حاصل ہوا تھا۔[3]

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۹ روضۃ الاحباب [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۹۵
[3] تاریخ طبری صفحہ ۱۵۸۹ مطبوعہ جرمن

جناب رسالتمآبؐ نے فدک اپنی بیٹی سرکارِ عصمت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ہبہ کر دیا۔[1]

سوالات

۱۔ حجاز میں یہودیوں کی کیا پوزیشن تھی؟

۲۔ یہود سے سرکارِ رسالتؐ کے خوشگوار تعلقات کو بیان کرکے پھر ان کی مخالفت کے وجوہ بتلائیے۔

۳۔ یہودیوں کی مخالفت پر جو تشویش سرکارِ رسالتؐ کو لاحق ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس پر سرکارِ رسالتؐ کی کس طرح تسکین فرمائی؟ اس آیۂ مبارکہ سے کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں؟

۴۔ بنی قینقاع کے اخراج کی تفصیل بیان کیجئے۔

۵۔ کعب بن اشرف یہودی کی فتنہ پردازیاں بیان کرکے اس کے قتل کے واقعہ کو بیان کیجئے۔

۶۔ بنی نضیر کے اخراج کے واقعات بیان کیجئے۔

۷۔ بنی قریظہ کی شرارتوں کا تذکرہ کرکے ان کا انجام بیان کیجئے۔

۸۔ لفظ خیبر کی توضیح کرکے خیبر کے جغرافیائی اور معاشی

---

[1] معارج النبوۃ تحت ذکر وقائع سنہ ۷ھ، کنز العمال، در منثور سیوطی، حبیب السیر، روضۃ الصفاء

حالات بیان کیجئے۔

۹۔ جنگِ خیبر کے اسباب بیان کیجئے۔

۱۰۔ ثابت کیجئے کہ خیبر کی لڑائی مدافعانہ جنگ تھی۔

۱۱۔ خیبر میں دشمن کے استحکامات کو بیان کیجئے۔

۱۲۔ سرکارِ رسالتؐ کی روانگی کے واقعات بیان کیجئے۔

۱۳۔ قلعہ القموص پر مسلمانوں کے ناکام حملوں کی تفصیل بیان کیجئے۔ ان حملوں میں کس کس کو ناکامی ہوئی؟

۱۴۔ حدیث رایت کو بیان کیجئے۔

۱۵۔ جناب امیر علیہ السلام کے فتح خیبر کو بیان کیجئے۔

۱۶۔ بعد فتح خیبر سرکار رسالت محمد مصطفےٰؐ اور سرکارِ ولایت علی مرتضیٰؑ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟

۱۷۔ غزوۂ خیبر کے نتائج تفصیل سے بیان کیجئے۔

۱۸۔ اراضی مفتوحۂ خیبر کا سرکارِ رسالتؐ نے کیا انتظام فرمایا؟

۱۹۔ سرکارِ رسالتؐ نے خیبر کے خمس کا کیا فیصلہ کیا اور خیبر کے سردار کی بیٹی صفیہؓ سے کیا سلوک کیا؟

۲۰۔ فتح خیبر کے دن مہاجرین حبشہ کی آمد کے سرکار رسالتؐ پر کیا تاثرات تھے؟

۲۱۔ فدک کس طرح اسلامی قبضہ میں آیا اور اس کی شرعی پوزیشن کیا تھی اور رسول اللہؐ نے اس کے متعلق کیا کیا؟

تیرھواں باب

مہاجر رسولِ امینؐ کا اپنے شہر مکہ میں پُر امن داخلہ

اللہ کا گھر بُتوں سے صاف

طلقاء بنی امیہ کا اسلام

رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء

مکہ معظمہ پر فوج کشی کے اسباب

۱۔ تطہیر بیت اللہ بیت اللہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام کی یادگار ہے۔ اللہ کے اس گھر کو انہوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا۔ مگر بُت پرستوں کے برسرِ اقتدار آجانے سے مرکزِ توحید بُت خانہ ہو گیا تھا جس میں ۳۶۰ بُتوں کی پرستش ہو رہی تھی۔ اولادِ ابراہیم و اسماعیل یعنی رسول اللہؐ کے آباؤ اجداد کا دل اس حالت پر بہت کڑھتا کیونکہ وہ موحد خدا پرست اور حضرت اسماعیلؑ کے اوصیاؑ تھے۔ اور امت مسلمہ کے قرآنی نام سے موسوم تھے۔ رسول اللہؐ کے ابتدائی زمانہ میں

بھی اللہ کا گھر مرکزِ شرک رہا۔ یہاں تک کہ برسرِ اقتدار کفار نے رسولِ امین
مکہ سے جلا وطن کر دیا۔ اب یہ خانۂ حق مسلمانوں کا قبلہ بھی قرار پا چکا
ان حالات میں اب جبکہ ہزاروں انسان اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ضروری
مکہ معظمہ پر قبضہ کر کے بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا جائے۔

۲۔ **مہاجرین کی خواہشِ مراجعت**۔ مہاجرین مکہ کو اپنا وطن چھوڑے
کامل آٹھ سال گزر چکے تھے اور ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے وطن
میں کامیابی سے واپس جائیں۔

۳۔ **مکہ معظمہ کی اہمیت کا تقاضا**۔ عرب کی سرزمین میں مکہ سینکڑوں
برس سے تجارتی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور مذہبی امور میں مرکز چلا آ رہا
تھا۔ خاندان قریش کی عرب میں اہمیت کا باعث یہی شہر تھا۔ اب اسلام
کی تحریک عروج پر آ گئی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس اہم شہر
اسلام کا پرچم لہرائے۔

۴۔ صلح حدیبیہ میں سرکارِ رسالت اور قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کے درمیان
معاہدہ ہوا تھا کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہیں لڑی جائے گی مگر
کی طرف سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ بنی خزاعہ رسول اللہ
کے حلیف تھے اور بنی بکر کفار قریش کے حلیف تھے۔ ان دونوں قبیلوں
میں دشمنی تھی اور جھگڑے تھے۔ بنی بکر نے خلافِ معاہدہ ان جھگڑوں
تلوار کے زور پر ختم کرنے کی نیت سے بنی خزاعہ سے جنگ شروع کر دی
قریش مکہ نے بنی بکر کو ہتھیار فراہم کئے اور ان کی مدد کی۔ ان حالات

بنی خزاعہ کو شکست ہوئی۔ ان لوگوں نے بیت اللہ میں پناہ لی۔ وہاں بھی انہیں قتل کیا گیا۔ حالانکہ وہاں خونریزی منع ہے۔ بنی خزاعہ کا نمائندہ دربارِ رسولؐ میں حاضر ہوا اور آنحضرتؐ کو حالات سے آگاہ کیا۔ حضورؐ کو اس سے بہت رنج و ملال ہوا اور آپؐ نے اپنا قاصد کفار قریش کے پاس بھیجا اور انہیں لکھا کہ میری فرستادہ شرطوں میں سے کسی ایک کو منظور کرو۔

- بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دو۔
- بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لو۔
- اعلان کردو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

کفارِ مکہ نے تیسری شرط مان لی۔ مگر بعد میں وہ اپنے کئے پر پچھتائے اور انہوں نے ابوسفیان کو تجدیدِ معاہدۂ حدیبیہ کے لئے دربارِ رسالت میں بھیجا مگر حضورؐ نے انکار کر دیا۔ قریش تجدیدِ معاہدہ اس لئے چاہتے تھے کیونکہ ان کی معاشی حالت بہت سقیم تھی اور جوں جوں مسلمان ترقی کر رہے تھے ان کی تجارت ختم ہو رہی تھی۔ اور ان کا اقتدار خاک میں مل رہا تھا۔

لشکرِ قاہرہ رسالت کی روانگی

خدا کا حبیبؐ مناسب وقت کی تلاش میں تھا۔ تاکہ حرمتِ کعبہ قائم رہے، مکہ معظمہ بلا جنگ وجدل فتح ہو اور اللہ کا گھر بتوں کی نجاست سے ہو جائے۔ اب وہ وقت آپہنچا تھا۔ اللہ کا رسولؐ دس ہزار سپاہیوں کی معیت میں ۱۰ رمضان ۸ھ یکم جنوری ۶۳۰ء کو روانہ ہوا۔ مشرکین میں طاقتِ مقابلہ تو تھی ہی نہیں۔ ابراہیم خلیلؐ کا وارث، اسماعیل ذبیحؐ کی یادگار

امن کا پیغمبر مرکز توحید اللہ کے گھر میں اس گھر کی عظمت و احترام کو قائم رکھ
بلا قتل و غارت اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر بلد الامین مکہ اور امن خلق اللہ
میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین کی شان عفو و رحمت

جس شہر کو آٹھ برس پہلے
یاس اور رنج و غم کے ساتھ
تھا، وہی شہر اللہ نے نہایت برتری اور کامیابی کے ساتھ آپؐ کے قبضہ میں دیا
قریش جو ہٹ دھرمی میں اپنی نظیر آپ تھے بعض دباؤ سے بعض اپنی خوشی
بعض اسلام کے جاہ و جلال کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ اب ذرا حضور رسالت
کا رحم و کرم اور شان عفو و رحمت دیکھئے۔ ان لوگوں کو جن سے آپ کو
ایذائیں پہنچیں جنہوں نے وطن عزیز سے جلا وطن کیا، حضورؐ نے فتح پا کر ان
کی تمام خطائیں معاف کر دیں۔ آپؐ نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا، بتاؤ
تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو۔ سب نے جواب دیا۔ خیراً اخ کریم
ابن اخ کریم ہمیں اچھائی ہی کی امید ہے۔ آپؐ فیاض بھائی ہیں
فیاض بھائی کے فرزند ہیں۔ اس پر سرکار رسالتؐ نے فرمایا اذھبوا فانتم
الطلقاء۔ جاؤ۔ تم میرے آزاد کردہ ہو، تم لوگوں کو چھوڑ دیا۔ اس کے
بعد حضورؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور جو تصویریں خانہ کعبہ میں بنی ہوئی تھیں
ان سب کو محو کر دیا۔

اس کے بعد اپنے عفو و کرم کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:۔
" جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے

یا آپؐ نے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے یا ہتھیار ڈال دے وہ امان میں ہے"
اس رسولِ امینؐ اس پیغمبرِ امنؐ کے رحم و کرم کا کیا کہنا جو دشمن کے گھر کو دارالامان قرار دے۔

شیئلے لین پول اس سلسلہ میں لکھتا ہے:۔

"یہ ایک واقعہ ہے کہ محمد کی سب سے عظیم فتح مندی کا وقت وہی ہے جس وقت کہ انھوں نے اپنے نفس پر بھی عظیم فتح حاصل کی رسولؐ نے نہایت فراخدلی سے قریش کے تمام افعالِ قبیحہ اور ایذا رسانیوں کو جو کہ انھوں نے آپؐ کے خلاف جائز رکھی تھیں معاف کر دیا۔ رسولؐ کے مجاہدین نے بھی انہی کی پیروی کی اور نہایت امن و آشتی کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ نہ کسی کے مکان کو لوٹا اور نہ کسی عورت کی تذلیل کی۔"

اب بنی امیہ کے سردار ابوسفیان نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابوسفیان نے اس انقلاب کا ساتھ دینے کے لئے ارادہ کر لیا جو ان کی ذاتی امنگوں کا ہمیشہ کے لئے سناتمہ کر دینا چاہتا تھا جب ابوسفیان حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو اس وقت کی تصویر کشی علامہ شبلی نے اس طرح کی ہے۔

ابوسفیان کے پچھلے تمام کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کرانے کی

سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبی) تھی اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام نہیں ہے[1] چنانچہ عباسؓ نے سفارش کی، اور ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے بھی جس کے انتقامی جذبات کی تصویر آپ جنگِ احد میں دیکھ چکے ہیں، اسلام قبول کرلیا۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں "ہندہ فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے[2]۔

اس واقعہ سے ہر انسان یہ بات سوچنے پر مجبور ہے کہ فوج کی ہیبت سے آدمی سر جھکا سکتا ہے، ہاتھ روک سکتا ہے، ہتھیار ڈال سکتا ہے، زبان بند کر سکتا ہے بلکہ اپنا گلا تک کاٹ سکتا ہے۔ مگر اپنے دل میں تبدیلی نہیں پیدا کر سکتا، اپنے قلب میں یقین کی صفت پیدا نہیں کر سکتا، اور اپنی نفرت کو محبت سے تبدیل نہیں کر سکتا، وہ نفرت اور دشمنی جو ان حدود تک پہنچ چکی تھی جن کا مظاہر گذشتہ واقعات سے ہو چکا۔ کیا فوجی مظاہرے کے اثر سے دشمنی محبت و عقیدت سے تبدیل ہو سکتی ہے؟ اس سے عام فطرت کے مطابق کیا سمجھا جا سکتا ہے۔ صرف اتنا کہ وہ دشمن جو پھنکاریں مارنے والے اژدہے کی طرح سامنے موجود تھا۔ اب مارِ آستین بن کر خفیہ ریشہ دوانیوں کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ دشمن کی یہ صورت اس صورت سے زیادہ خطرناک ہے جبکہ وہ خنجر بکف گلا کاٹنے کے لئے سامنے کھڑا ہوا ہو۔ اسلام کے نقاد علی ابن ابی طالب کا

---

[1] سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۷۶

[2] سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۸۰

ان دشمنوں کے ایمان لانے کے متعلق یہ خیال تھا۔ آپ نے فرمایا تھا۔
"لما اسلموا ولکن استسلموا" یہ لوگ حقیقتاً اسلام نہیں لائے بلکہ اسلام کے سامنے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ماحول اور واقعات نے انہیں مجبور کیا تھا کہ وہ رسول پاکؐ کے احکام کے سامنے گردنیں جھکا دیں، ورنہ باطن میں جو تھے وہ تھے۔

اس طرح کے لوگ جو غلبہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے ان کی نفسیاتی کیفیت وہی تھی جو ہر دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوم کی ہوتی ہے یعنی نفرت، دشمنی، غصہ، جذبۂ انتقام اور اس کے ساتھ ساتھ ڈر، جس کے نتیجہ میں وہ کھل کر اپنی عداوت کا اظہار تو نہیں کر سکتے تھے۔ مگر برابر موقع کے منتظر تھے کسی طرح ہم اسلام کو نقصان پہنچا دیں۔ اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں تو کم از کم اس کی امتیازی خصوصیات کو تبدیل کر دیں جو اس نے قائم کی ہیں اور جن سے ہمارے اقتدار کو صدمہ پہنچا ہے اور اسلام کے پردے میں ہی سہی ان امیازی حدود کو قائم کر دیں جو اسلام کے پہلے عرب میں تھیں۔

سرکار رسالتؐ کی زندگی میں ان کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی۔ ان سب کی بڑی احتیاط کی جاتی تھی ان کو عام مسلمانوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہونے جاتا تھا۔ نہ ان کو مسلمانوں پر حاکم بنایا جاتا تھا۔ بلکہ اکثر تحفے تحائف دے ان کی دلجوئی بھی کی گئی تاکہ یہ لوگ اپنے مخالفانہ انداز بھول جائیں، اور یہ نہیں تو ان کی آئندہ نسلیں اسلام میں رہ کر امن وامان کی زندگی اختیار کر لیں اور سچے مسلمان ہو جائیں مگر ان کے جذبات وہی رہے اور اگر

ذرا اسلام پر کوئی مصیبت پڑتی تو ان کے چہرے خوشی سے کھل جاتے
کبھی جذبات دبی زبان سے بھی کھل جاتے، چنانچہ ہم ایسے مواقع کی
اس تاریخ میں نشان دہی کرتے رہیں گے۔

مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخلہ کے بعد سرکارِ رسالتؐ خانہ کعبہ میں داخل ہو
ایک ایک بُت کو توڑتے اور جاء الحق وزھق الباطل کے نعرے
لگاتے جاتے۔ قریش نے خانہ کعبہ کی چھت پر بہت سے بُت لا
کر رکھے تھے۔ جن میں ہبل سب سے بڑا بُت تھا۔ جس کو جنگِ احد
موقع پر ابوسفیان اٹھا کر لشکرِ کفار کے سامنے جوش دلانے کے
لے گیا تھا۔ رسول اللہؐ نے اپنے قوتِ بازو علیؑ کو اپنے کاندھوں
سوار کر کے ان بلندی پر رکھے ہوئے بتوں کو یداللہ سے ٹکڑے ٹکڑے
کرا دیا۔[1]

علیؑ بر دوشِ احمدؐ چشم بد دور
عیاں شد معنیٔ نور علی نور

تطہیر کعبہ کے بعد سرکارِ رسالت محمد مصطفیٰؐ نے بیت اللہ کا طواف
کیا۔ نمازِ شکرانہ فرمائی اور اہلِ شہر کو اکٹھا کر کے ایک فصیح و بلیغ تقریر
جس میں اللہ کی توحید پر قائم رہنے شرک سے بچنے اور انسانی اخوت
کو ملحوظ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد حضورؐ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے
لوگ جوق در جوق آ کر مسلمان ہونے لگے۔ سرکارِ رسالتؐ پندرہ روز مکہ میں قیام

---

[1] مدارج النبوۃ، حبیب السیر

فرما کر نو مسلموں کی مذہبی تعلیم و تربیت کا انتظام کر کے مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

قریش کی شکست کے اسباب

۱۔ معجزہ شجاعت علی ابن ابیطالب کا دبدبہ۔ آج تک جس قدر لڑائیاں ہوئی تھیں ان میں علی مرتضٰی حیدر کرار اسد اللہ الغالب نے وہ جوہر شجاعت دکھلائے تھے کہ کفارِ قریش مرعوب ہو چکے تھے۔

۲۔ عساکر اسلامیہ کا اچانک مکہ پہنچنا اور قریش کا مرعوب ہونا۔ عساکر اسلامیہ اچانک مکہ میں پہنچ گئے۔ رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ہر مسلمان جائے قیام پر آگ روشن کرے، دور سے کفارِ قریش کو دس ہزار کے قریب مقامات پر آگ روشن نظر آئی تو انہوں نے اندازہ کیا کہ فوج بہت زیادہ ہے جس کے لئے دس ہزار چولہا روشن کیا گیا ہے۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے، اور وہ مقابلہ نہ کر سکے۔

۳۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو انہیں بھڑکاتے تھے اور لڑاتے تھے ذوالفقارِ علیؑ سے ختم ہو چکے تھے۔

۴۔ ابوسفیان مسلسل شکستوں کی وجہ سے ہمت ہار چکا تھا۔ اس نے لشکر اسلام میں گھر جانے کے بعد حضرت عباسؓ کے مشورہ پر ہتھیار ڈال دیئے۔

فتح مکہ کے نتائج

۱۔ تطہیر بیت اللہ، مرکز توحید مسلمانوں کا قبلہ بتوں سے پاک ہو گیا اور اللہ کا گھر صحیح معنوں میں

اللہ کا گھر ہو گیا۔

۲۔ ایک ایسے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا جو معاشرتی، تمدنی، مذہبی سیاسی اور معاشی و تجارتی مرکز تھا۔ یہ اسلام کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

۳۔ تمام قبائل عرب کو اسلامی حکومت کو عرب کی واحد سب سے بڑی سیاسی و روحانی طاقت سمجھنا پڑا۔

۴۔ عرب کی تنظیم اور اہلِ عرب کا ایک مرکز پر اجتماع۔

فتح مکہ سے عرب کی اجتماعی تنظیم شروع ہو گئی۔ وہ قبائل عرب جو قبائلی نظام کے ماتحت زندگی بسر کر رہے تھے وہ سرکارِ قیادت و سیادت میں مجتمع اور متحد ہو کر ایک قوم بن گئے۔ ایک ایسی قوم جس کے ہاں جغرافیائی حد بندی نہیں بلکہ وہ قوم جس کا رشتہ اتحاد انسانیت سے ہے۔

سوالات

۱۔ مکہ پر فوج کشی کے اسباب کیا تھے؟

۲۔ سرکارِ رسالت م کن مقاصد کے پیشِ نظر عساکرِ قاہرہ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے؟ اور مکہ معظمہ کس طرح فتح ہوا؟

۳۔ فتح مکہ پر سرکارِ رسالتؐ کی شانِ عفو و رحمت کو بیان کیجئے اور عفو کی کیا شرائط تھیں ؟

۴۔ سٹینلے لین پول نے واقعۂ فتح مکہ کو کن الفاظ میں بیان کیا ہے ؟

۵۔ علامہ شبلی نے فتح مکہ کی تصویر کشی کن الفاظ میں کی ہے ؟ اور ہندہ کے اظہارِ اسلام کو کن الفاظ میں بیان کیا ہے ؟

۶۔ بنی امیہ اور ان کے سردار ابو سفیان کے اسلام کو نفسیاتی طور پر بیان کیجئے اور بیان کیجئے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ان کے اسلام کی حقیقت کو کن الفاظ میں بیان کیا ہے ؟

۷۔ بنی امیہ کے ساتھ سرکارِ رسالتؐ نے کیا روش اختیار کی اور کیوں ؟ لیکن بنی امیہ کی قلبی کیفیت کیا رہی ؟

۸۔ کعبہ میں بُت شکنی کا منظر بیان کرو اور بتلاؤ کہ تطہیرِ کعبہ کے بعد سرکارِ رسالتؐ نے کیا کیا ؟

۹۔ قریش مکہ کی شکست کے اسباب بیان کرو۔

۱۰۔ فتح مکہ کے نتائج کیا ہیں ؟

چودھواں باب

جنگِ حنین اور طائف کا محاصرہ

شوال ۸ھ، جنوری ۶۳۰ء

جنگِ حنین کے اسباب فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ بعض مشرک قبائل یہ حالت دیکھ کر بہت مشتعل ہوئے۔ اس پر بنی ثقیف، ہوازن، بنی سعد اور بنی جشم کے صحرائی قبائل متحد ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ بنی ثقیف وہی ہیں جنہوں نے طائف میں رسول اللہ سے بدسلوکی کی تھی اور آنحضرؐ پر پتھر برسائے تھے۔ بنی ہوازن اور بنی ثقیف طائف کے گرد و نواح میں مکہ سے ساٹھ ستر میل کے فاصلہ پر آباد تھے۔ یہ لوگ بہت خونخوار اور سرکش تھے۔ کسی کی اطاعت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے جب اسلام کو نہایت تیزی سے پھیلتے دیکھا تو گھبرا گئے اور خیال کرنے لگے کہ اگر اسلام کی ترقی کا یہی عالم رہا تو ایک دن ہمیں ختم کر کے اپنی اطاعت میں لے آئیں گے۔ انہوں نے ایلچی بھیج کر ارد گرد کے قبیلوں

کو جمع کریا۔ جب سرکارِ رسالت کو ان کے مذموم ارادوں کا علم ہوا۔ تو حضورؐ بھی تیار ہو گئے۔

جنگ یکم شوال ۸ھ ۲۲ جنوری ۶۳۰ء بروز دوشنبہ سرکارِ رسالتؐ مکہ سے روانہ ہوئے۔ بارہ ہزار یا بروایتے سولہ ہزار فوج رکاب سعادت انتساب میں تھی۔ ان میں سے دس ہزار مہاجر و انصار تھے جو مدینہ سے ہمراہ آئے تھے۔ دو ہزار اہالیٔ مکہ تھے جن میں سے بعض ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ کافر بھی ہمراہ تھا۔ اس سے سرکارِ رسالتؐ نے ایک سو زرہ اس جنگ کے لئے ریت لی تھی۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ ۸۰ مشرکین حضرت کے ساتھ تھے حسب معمول اس جنگ میں بھی حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؑ علمدار تھے۔ جب مسلمان وادیٔ حنین میں پہنچے تو دشمن کی فوج پہلے سے موجود تھی۔ غنیم کی فوج جا بجا پہاڑ کے دروں میں چھپ گئی تھی۔ مسلمان اس سے واقف نہ تھے۔ صبح کو راستے کی تنگی کی وجہ سے متفرق ہو کر آگے بڑھے۔ اس متفرق ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فتح مکہ سے اور اپنی تعداد کی زیادتی اور سامان کی فراوانی کے سبب مسلمان کچھ مغرور اور لاپرواہ سے ہو گئے تھے۔ اور ان کے دلوں میں کچھ نخوت سی آ گئی تھی۔ چنانچہ روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب تاریخ خمیس اور تاریخ حبیب السیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر نے مسلمانوں کا یہ شاندار لشکر دیکھ کر کہا تھا کہ آج ہم کمیٔ لشکر کے سبب

شکست نہ پائیں گے۔ اس غرور کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے
ہی دشمن اپنی گھات سے نکل پڑے اور اس انداز سے نکلے کہ مسلمان
حیران رہ گئے۔ تیروں، پتھروں اور نیزوں کی بوچھاڑ سے گھبرا گئے
ایسا تتر بتر ہوئے کہ صرف سرکارِ رسالتؐ اور چند فدائی جاں نثار
میدان میں باقی رہ گئے۔

جنگ میں کن لوگوں کے قدم اکھڑ گئے

سب سے پہلے
حضرت خالد بن
ولید (جو سیف اللہ کے نام سے مشہور ہیں) نے میدان چھوڑا
کے بعد کفار قریش نے کہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے راہ
اختیار کی۔ پھر باقی اصحاب و انصار چل دیئے۔ حضرت ابوبکر
حضرت عمر بھی قدم نہ جما سکے۔ بہت سے مسلمان
مارے گئے۔ کئی زخمی ہوئے سرکارِ رسالتؐ نے بہت پکارا
اصحاب بیعت الرضوان! تم اپنے رسول کو تنہا چھوڑ کر کہاں
جاتے ہو۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی اور کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہ
دیکھا۔ نفسی نفسی کی پڑی ہوئی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کو شکست
ہوگئی۔ [۱]

جنگِ حنین میں بنی امیہ کی اندرونی کیفیت کا اظہار

[۱] تاریخ خمیس، روضۃ الاحباب، روضۃ الصفا، حبیب السیر

یں کہ کفارِ قریش خصوصاً بنی امیہ فتح مکہ میں دب کر اور شکست کھا کر مسلمان ہوئے
ن کے دلوں پر اسلام کا اثر نہیں تھا اور وہ دل میں مخالفِ اسلام تھے چنانچہ
جنگِ حنین میں ان ظاہری مسلمانوں کے بغض اور کینے خوب ظاہر ہو گئے۔

اس موقعہ پر ابوسفیان بن حرب بنی امیہ کا سردار جو فتح مکہ کے موقعہ پر بظاہر
مسلمان ہو چکا تھا اپنے ترکش کو تیروں سے بھرے ہوئے مستعد کھڑا تھا اور ہنس
ہنس کر کہتا تھا ابھی کیا ہے، مسلمان تو سمندر تک بھاگیں گے، صفوان بن امیہ کے
بھائی کلدہ بن امیہ نے بھی پکار کر کہا اب محمد کے جادو کا اثر جاتا رہا[1]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ جنگِ حنین میں جب مسلمانوں کی
ہزیمت میدانِ جنگ سے پسپا ہوئی تو ابوسفیان نے کہا بس جادو ختم ہو گیا[2]۔

حبیب السیر میں ہے کہ جب مسلمان بھاگ گئے تو آنحضرتؐ نے مجبوراً اپنا خچر
دوڑنے کے لئے آگے بڑھایا۔ مگر حضرت عباسؓ نے لگام تھام لی اور روکنے سے
روکا، ان کی آواز بہت بلند تھی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے بھاگنے والے
مسلمانوں سے للکار کر کہا۔

اے گروہِ انصار! اے اصحاب الشجرہ! اے اصحاب سورۂ بقر! کہاں جاتے
یہ آواز سن کر مسلمان جمع ہونے لگے اس اثنا میں دشمن بلندی سے اتر کے
ان میں خوب جنگ ہوئی۔ چند گھنٹوں میں دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں
بے اندازہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔

---

[1] مستفاد فی شرح بخاری جلد ۸ ص ۳۶ ، معارف ابن قتیبہ ص ۵۶ ، روضۃ المناظر برحاشیہ تاریخ کامل
جلد ص ۱۵۰، تاریخ ابوالفداء ص ۱۵۴ [2] مدارج النبوۃ

اس جنگ کا حال قرآن حکیم کی سورۂ توبہ میں موجود ہے (حبیب السیر)

جنگ حنین میں فاتح حنین علیؑ

اس لڑائی میں ستر کافر اور چار مسلمان مارے گئے۔ ان ستر کافروں میں سے چالیس نامی کافر حضرت اسد اللہ الغالب علی مرتضیٰ نے قتل کیے[1]

جنگ کے ثابت قدم

اس جنگ میں حضرت علیؑ، ابوسفیان بن الحارث، حضرت عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ثابت قدم رہے، اور آنحضرتؐ کو دشمن کی زد سے بچاتے رہے[2]

بنی امیہ کو مال غنیمت

باوجودیکہ ابوسفیان اور اس کے بیٹے یزید معاویہ مسلمانوں کے فرار پر پھبتیاں اڑا رہے تھے اور انہوں نے کسی طرح کی مدد نہیں کی تھی مگر اس پر بھی آنحضرتؐ نے محض ان لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے غنیمت غزوۂ حنین میں سے انہیں حصہ دیا۔ چنانچہ ابوسفیان اور اس کے بیٹوں یزید اور معاویہ تینوں میں سے ہر ایک کو سو اونٹ چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

جب رحمۃ اللعالمینؐ کے لطف و کرم سے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ابوسفیان اور اس کے بیٹوں یزید اور معاویہ کو ملی تو ان کی باچھیں کھل گئیں اور فرط مسرت سے کہنے لگے۔ یا رسول اللہؐ آپ تو جنگ و صلح دونوں حالتوں میں صاحب کرم ہیں[3]

---

[1] سیرت ابن ہشام، حبیب السیر [2] مواہب لدنیہ، تاریخ خمیس، فتح الباری

[3] تمدن اسلام مولفہ جرجی زیدان عیسائی مورخ حالات مولفۃ القلوب ص۵۵ ج۱۵

بنی امیہ کو مال غنیمت ملنے پر انصار کی افسردگی

جب انصار میں اس عطیہ کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آنحضرت نے اس عطیہ کی مصلحت اور اس تالیف قلب کی وجہ بیان کی اور ابو سفیان و یزید و معاویہ کے قریب بکفر ہونے کو ظاہر فرمادیا۔[1]

رسول اللہؐ نے انصار سے فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جو قریب بکفر ہیں ان کی تالیفِ قلوب کے لئے یہ عطا کیا ہے۔ کیا اے انصار! تم اس امر سے راضی اور خوشنود نہیں ہو کہ تم لوگ تو اپنے نبی کے ساتھ رحمتِ الٰہی میں گھروں کو واپس جاؤ اور یہ لوگ جو قریب بہ کفر ہیں دنیا کا مال و دولت بھیڑ بکریاں لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں۔

شارح تیسیر القاری نے اس ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مؤلفۃ القلوب وہ تازہ مسلمان ہیں جو فتح مکہ کے بعد مجبور ہو کر مسلمان ہوئے۔ ابوسفیان و معاویہ وغیرہ۔[2]

جنگ حنین میں فرار کے اسباب

۱۔ مسلمانوں کو اپنی طاقت پر بڑا غرور ہو گیا تھا۔

۲۔ اسلامی لشکر میں مکہ کے نومسلموں کی اکثریت تھی۔

۳۔ اسلامی لشکر میں کچھ لوگ ایسے تھے جو محض مال غنیمت کے لالچ میں ہمراہ آئے تھے۔

---

[1] تیسیر القاری صفحہ ۱۵۸ و صفحہ ۱۵۹ و صفحہ ۱۶۰، شرح عسقلانی جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ و صفحہ ۳۴۲

[2] روضۃ المناظر صفحہ ۱۵۲ تاریخ ابوالفدا صفحہ ۱۵۵

۴۔ دشمن نے بہتر مقامات پر پہلے قبضہ کر لیا تھا۔
۵۔ مسلمان بنی ثقیف اور ہوازن کی تیر اندازی سے گھبرا گئے۔

اوطاس، لیہ اور طائف

دشمن کی شکست خوردہ فوج پسپا ہو کر تین مقامات کی طرف ہٹی اور اوطاس میں جمع ہو گئی۔ ابو موسیٰ اشعری کی قیادت میں ایک لشکر نے اوطاس پہنچکر انہیں منتشر کر دیا۔ جنگ میں ابو عامر مارا گیا۔

وادی لیہ میں دشمن کے تعاقب میں خود رسول اللہؐ پہنچے اور وہاں کے قلعہ کو مسمار کر دیا۔

طائف میں دشمن قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ مگر پھر محاصرہ اٹھا لیا۔ دوران محاصرہ میں لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپ دشمن کے لئے بددعا فرمائیں۔ رسول اللہؐ نے دست دعا بلند فرمائے اور دعا کی۔ بار الہا! بنی ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں اسلام پر لا، چنانچہ دعا قبول ہوئی اور بنی ثقیف مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ذی قعدہ میں سرکار رسالتؐ واپس مدینہ تشریف لائے۔

سوالات

۱۔ غزوۂ حنین کے اسباب کیا تھے ؟

۲۔ غزوۂ حنین کی کیفیت بیان کیجئے اور مسلمانوں کے اس جنگ میں فرار کے کیا اسباب تھے ؟ اس جنگ میں مشاہیر میں سے کس کس نے فرار اختیار کیا ؟ اور کون کون ثابت قدم رہا ؟

۔ ابوسفیان کے اسلام سے بغض اور کینے کس طرح ظاہر ہوئے ؟

۔ جنگِ حنین میں کس قدر کافر قتل ہوئے۔ ان میں سے اسداللہ الغالب کے ہاتھ سے کتنے کافر مارے گئے ؟

۔ سرکارِ رسالتؐ نے غنیمت میں سے ابوسفیان اور اس کے بیٹوں کو کیا دیا اور کیوں ؟

۔ انصار کی افسردگی کا کیا سبب تھا ؟ اور رسول اللہؐ نے اسے کس طرح دور کیا ؟

۔ جنگِ حنین میں فتح کے بعد دشمن کا کس طرح تعاقب کیا گیا ؟

۔ جنگِ حنین کے بعد رسول اللہؐ کی دعا اور اس کا اثر بیان کرو ؟

پندرھواں باب

سرکارِ رسالتؐ کا رومیوں سے مقابلہ

جنگِ موتہ جمادی الاول ۸ھ، ستمبر ۶۲۹ء

غزوۂ تبوک رجب ۹ھ، نومبر ۶۳۰ء

علیؑ، خلیفۂ رسولؐ

اس زمانے میں عرب کے شمال میں مشرقی رومی سلطنت (Eastern Roman Empire) پھیلی ہوئی تھی۔ اس وسیع علاقہ کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کہ رومیوں اور ایرانیوں نے عرب سے اپنے ملحقہ علاقوں کی سرحدوں پر چھوٹی چھوٹی عرب ریاستیں قائم کی ہوئی تھیں۔ جو ان کی باجگذار تھیں اور ان کے اور عرب کے درمیان "بفر سٹیٹ" کا کام دیتی تھیں۔

عرب کے شمالی علاقے میں رومی سرحد پر جو عرب آباد تھے وہ غسان قبیلہ سے تھے۔ وہ عیسائی بھی ہو چکے تھے اور انہوں نے رومی تمدن کو بھی اختیار کر

لیا تھا اور وہ اس اجنبی تمدن پر نازاں تھے۔ مشرق کی طرف جو عرب آباد تھے وہ
ایران کی ساسانی حکومت سے متاثر تھے۔ ایرانیوں کی وفاداری کا دم بھرتے تھے
اور انہوں نے ایرانی مذہب اور ایرانی تہذیب و تمدن کو اپنا لیا تھا۔

مسلمانوں اور رومیوں کی چپقلش کے اسباب

اسا سرقت ملک سرکارِ
رسالت محمد مصطفےٰ کی مشرکین عرب اور یہود سے لڑائیاں ہوئی تھیں۔ جن
مشرکین کو پے در پے شکستیں ہوئیں اور یہود بھی خیبر کے ایک ہی جھٹکے سے ہمیشہ
کے لئے ختم ہو گئے۔ اسلام کے اس روز افزوں فوجی اقتدار اور اسلام کی
مسلسل نشر و اشاعت کا نتیجہ رومیوں اور مسلمانوں کی چپقلش میں نمودار ہوا کیونکہ
مشرقی رومی سلطنت مسلمانوں کے اس سیاسی اقتدار کو برداشت نہ کر سکی۔

۲۔ رومی سرحد کے عرب سردار جو روم کی سامراجی طاقت کے ہاتھ بکے ہوئے
تھے اور غیر ملکی آقاؤں کی سرپرستی میں ذی وقار اور صاحبِ اقتدار تھے اسلام
کی روز افزوں ترقی کے آئینہ میں اپنی طاقت کا زوال دیکھ کر مشتعل ہو گئے۔

۳۔ عرب قبائل کے قبولِ اسلام اور سرکارِ رسالت کے تبلیغی دعوت ناموں
کے اثرات نے انہیں مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم کرنے پر آمادہ کر دیا۔

۴۔ سرکارِ رسالت کے قاصد حارث بن عمیر کو جو حضور کا خط ریاست بصریٰ
کے سردار کے نام لے جا رہا تھا۔ شرحبیل غسانی نے جو موتہ کا سردار تھا قتل کرا
دیا تھا۔ اور یہ امر بین الاقوامی آئین (International Law)
کے خلاف تھا۔ اس لئے حارث کے خون کا انتقام لینے کیلئے مسلمانوں میں

جوش تھا۔

جنگِ موتہ ۸ھ ۶۲۶ء

حضرت زید بن حارثہ (سرکارِ دو عالم کے آزاد کردہ غلام) کی قیادت میں

مسلمانوں کی تین ہزار فوج روانہ ہوئی۔ اور فوج کو ہدایت کی گئی کہ اگر حضرت زید بن
حارثہ شہید ہو جائیں تو فوج کی کمانڈ حضرت جعفر بن ابی طالب سنبھالیں
اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کی سالاری میں یہ جنگ لڑی جائے
شرحبیل معمولی طاقت کا سردار تھا۔ جب اس نے مسلمانوں کی پیش قدمی
کی خبریں سنیں، بہت خوفزدہ ہوا اور اس نے عرب حکمرانوں اور دمشق کے رومی
سے امداد طلب کی۔ چنانچہ بہت تھوڑے زمانہ میں ہر طرف سے ایک لاکھ
وہ ایک لاکھ فوج جو ہر طرح کے سامانِ حرب سے مسلح تھی سے کر مسلمانوں کے
مقابلے میں میدان میں آ ڈٹا۔ حضرت زید بن حارثہ کا خیال تھا کہ نازک صورتِ حال
کی اطلاع رسول اللہؐ کو دی جائے کیونکہ ایک لاکھ کے مقابلہ میں صرف تین ہزار
فوج تھی اور مقابلہ بہت سخت تھا۔ مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اس
مشورہ سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اور کہا کہ یہ امر ہمارے جذبۂ شہادت
کے منافی اور عشقِ رسول اللہؐ کے خلاف ہے۔ مقام موتہ پر جنگ کا آغاز ہوا
مسلمانوں کی یہ قلیل فوج اتنی بڑی کثیر الاکثریت کے مقابلہ میں بڑی سرفروشی
اور جانبازی سے لڑی، حضرت زید بن حارثہ نے حقِ خلوص و وفا ادا کیا
اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت جعفر ابن ابی طالب نے علمِ رسالت
کو سنبھالا اور سالاریٔ لشکر کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ اسد اللہ الغالب

علی مرتضیٰ کے بھائی تھے، ایسا جان توڑ مقابلہ کیا کہ اسلام کی تاریخ میں زریں الفاظ میں درخشاں رہے گا۔ دونوں بازو کٹنے پر بھی اسلامی علم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ شہید ہوئے، آپ کی لاش پر سو کے قریب زخم تھے، سب کے سب جسم کے اگلے حصّہ پر تھے۔ پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ اسلامی روایات میں ہے کہ بازوؤں کی قربانی پر اللہ نے انہیں دو پر عطا فرمائے ہیں۔ جن سے وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ اس لئے آپ جعفر طیارؓ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت جعفر طیار کی شہادت پر قیادت لشکر کو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا۔ یہ وفادار غازی بھی حق وفا ادا کر کے شہید ہوا۔ جب رسول اللہ کے نامزد تینوں سردار شہید ہو چکے تو پھر خالد بن ولید نے خود فوج کی کمانڈ اپنے ہاتھ میں لی اور یہ دیکھ کر کہ دشمن سے مقابلہ آسان نہیں نہایت خوش اسلوبی سے پسپا ہوئے اور سیاسی تدبیر سے باقی ماندہ فوج کو دشمن کے نرغہ سے نکال کر واپس لے آئے۔

جب یہ ہزیمت خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر اس کی شایعت کو نکلے تو لوگ غم خواری کی بجائے ان کے چہروں پر خاک ڈالتے تھے کہ او فرار یو تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے (سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۳۹۲)

غزوۂ تبوک ۹ھ ۶۲۷ء

علیؑ، عملی طور پر خلیفۂ رسولؐ، اور دارالسلطنت میں قائم مقام

اسباب جنگ | ۱۔ جنگ موتہ میں مسلمانوں کی پسپائی سے سرحد کے

لے زرقانی، شرح علی المواہب اللدنیہ جلد ۲ ص ۲۷۴۔ تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۰۱

معاند عرب سرداروں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ اپنے غیر ملکی آقاؤں
خوش کرنے کے لیے اسلامی سلطنت پر حملہ کر کے مراکز اسلام مکہ و مدینہ پر قبضہ
کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔
۲۔ حجاز پر رومی حملہ کی افواہیں تمام علاقہ پر پھیل رہی تھیں۔
(ا) شام سے آنے والے تاجر رومی فوج کی تیاریاں اور فوجی قیام گاہوں
کے متعلق عجیب و غریب افسانے بیان کر رہے تھے۔
(ب) یہ بھی افواہ گرم تھی کہ رومی سرحد کی فوج کے لیے ہرقل نے چالیس ہزار
کمک بھیجی ہے۔
(ج) شام کے قبطی تاجروں نے یہ شوشہ دیا کہ اسلامی سلطنت کی سرحد پر
ایک کثیر فوج جمع ہے جس کا مقدمۃ الجیش (Front Line)
بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔
۳۔ ان وحشت ناک خبروں سے منافقوں کو مسلموں میں خوف و ہراس
پھیلانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ ان خبروں کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے تھے۔
ان حالات میں ضروری تھا کہ سرکار رسالت رومی حملے کے تدارک کے
لئے احتیاطی تدابیر اختیار فرمائیں۔ معاند سرداران عرب کے حوصلے پست کریں
اور ان کی ملک کے خلاف غدارانہ جدوجہد کا خاتمہ کریں اور خوف و ہراس کی
فضا کو دور کر کے ان کے حوصلوں کو جو پست ہو چکے تھے بڑھائیں۔ اس لئے
رسول اللہ صلعم نے رضا کاران اسلام کو تیاری کا حکم دیا۔ باوجودیکہ موسم گرم تھا
ملک میں قحط کے آثار بھی نمایاں تھے، منافق خود بھی لڑائی سے جی چراتے تھے

اور عوام مسلمانوں کو بھی خفیہ طور پر ورغلاتے تھے۔ مقابلہ بھی عرب کے قبائل سے نہ تھا بلکہ اس زمانہ کی متمدن ترین سلطنت رومن امپائر سے تھا۔ گویا نظم شہنشاہی سے ٹکر تھی۔ اتنی رکاوٹوں کے باوجود مخلص مسلمان ایثار و آزمائش میں پورے اترے اور تیس ہزار فوج جنگ کے لئے تیار ہو گئی۔ اس جمعیت کو دیکھ کر بعض متمول صحابہ نے بھی جنگی امداد کے لئے رقوم پیش کیں۔

دارالسلطنت میں نظامِ ملکی علیؑ کے ہاتھ میں

سرکار رسالتؐ نے روانگی سے پہلے جناب امیرالمومنین علی مرتضیٰؑ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرمایا اور تمام نظامِ ملکی ان کے ہاتھ میں دے کر روانہ ہوئے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:۔

۱۔ اپنی وفات سے بہت قلیل عرصہ پہلے حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام نامزد فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد وہ زمامِ حکومت کو ہاتھ میں لینے کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، جنہیں رسول اللہؐ اپنی زندگی میں قائم مقامی کے منصب پر سرفراز فرما رہے ہیں۔

۲۔ اس غزوہ میں رسول اللہؐ نے خاص اہتمام فرمایا اور ہر غزوہ سے زیادہ فوج اپنے ہمراہ لے گئے۔ چونکہ مدینہ میں بہت تھوڑی فوج رہ گئی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ کسی بہترین مدبر کو نظامِ ملکی کے لئے مامور کیا جائے جو بہادر اور جنگ آزما بھی ہو تاکہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو وہ اس حملہ کا تدبر اور شجاعت سے جواب دے سکے۔

۳۔ بہت سے منافق بہانہ کر کے مدینہ میں رہ گئے تھے اور بہت سے

راستے سے واپس آ گئے تھے۔ لہٰذا ان کی طرف سے نہبت خطو لاحق۔
کیونکہ ان کا نہ جانا اور واپس آنا اس کی دلیل تھی کہ وہ آنحضرتؐ کی غیو
میں کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات کے تحت آنحضو
کا یہ انتہائی تدبر تھا کہ حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر نظام ملکی
ان کے ہاتھ میں دے جائیں۔ تاکہ وہ آڑے وقت میں اپنی بہترین
قابلیتوں کو نمایاں کر کے انتظام ملکی میں خلل نہ آنے دیں۔
جناب رسالتمآبؐ نے امہات المومنین کو یہ تاکید فرمائی کہ اطاعتِ علیؑ سے
باہر نہ ہوں، غالباً اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کوئی منافقین سے تعاون نہ کرنے لگے
رسول اللہؐ روانہ ہو چکے تھے کہ منافقین نے اس تقرر کے سلسلے میں حضرت
علی علیہ السلام کو افسردہ خاطر کرنے کے لئے افواہیں پھیلانا شروع کر دیں۔ پس
حضرت علیؑ پھر مدینہ سے باہر خدمتِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس تقرر
کی وضاحت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا۔
"یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا
نبی بعدی۔ اے علیؑ! تجھے میرے نزدیک وہی مرتبہ حاصل ہے
ہارون کو موسیٰؑ کے نزدیک تھا، ہاں میرے بعد نبی نہیں ہے[1]"

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ مناقب علی، مسلم الجزء ۷ صفحہ ۱۲۰ مناقب علی، سنن ابن ماجہ جز
صفحہ ۵۵، سنن ترمذی مناقب علی، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ و صفحہ ۱۳۳، استیعاب
جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ ترجمہ علی، مسند داؤد طیالسی صفحہ ۲۸ و ۲۹ - حدیث ۲۰۳، ۲۰۵،
۲۰۹، ۲۱۳، طبقات ابن سعد جلد ۳ ق ۱ صفحہ ۱۴

اسلامی لشکر کی روانگی سرکارِ رسالت ﷺ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے ان میں دس ہزار سوار تھے اور بیس ہزار پیادہ فوج تھی۔ سرکارِ رسالت ﷺ کی اس فوج ظفر موج نے تبوک کے مقام پر جا کر ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ مقام سرحد شام پر واقع تھا وہاں پہنچ کر دریافت حالات پر معلوم ہوا کہ رومی حملہ کا فوری امکان نہیں ہے۔ البتہ غیر ملکی غلامی میں مست غسانی اور دیگر قبائل کے معاند سردار مسلمانوں کے خلاف جدوجہد میں سرگرم ہیں۔ چونکہ جنگ کا فوری خطرہ نہیں تھا اس لئے پیغمبر امن ﷺ کچھ عرصہ سرحد پر قیام فرما کر مدینہ طیبہ واپس چلے آئے۔

غزوۂ تبوک کے نتائج و اثرات اگرچہ رومیوں سے جنگ نہ ہوئی مگر اس غزوۂ مبارکہ کے اثرات نہایت خوشگوار رہے :-

۱- تیس ہزار لشکر کی موجودگی کا اثر نہایت اچھا پڑا۔ مختلف سرداروں نے اطاعت قبول کر لی۔

۲- دومۃ الجندل جو عرب کے مختلف کاروانی راستوں کا مقام اتصال (Junction) تھا۔ اس مقام کو سیاسی اور اقتصادی طور پر بھی اہمیت حاصل تھی۔ مسلمانوں کے احاطۂ اقتدار میں آ گیا۔ پہلے یہ علاقہ اکیدر نامی حاکم کی قیادت میں قیصرِ روم کے اقتدار میں تھا۔ چونکہ سلطنت روما کے زیر اثر علاقہ سے اسلامی سلطنت کو خطرہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے چار سو کے مختصر سے لشکر کو دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا۔ اکیدر گرفتار

ہوا اور پھر اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ پہنچکر رسول اللہؐ سے معاہدہ کرے
چنانچہ وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور اسلامی سلطنت کی سرپرستی منظور
کی۔ اس طرح یہ اہم مقام مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آ گیا۔ اس کے بعد
مسلمان بھی ہو گیا۔

۳ ۔ حجاز کے شمال میں بحیرۂ قلزم کے ساحل پر آیلہ کی بندرگاہ تھی۔
ایلہ ہے جو موجودہ زمانہ میں عقبہ کہلاتا ہے اور شرقِ اردن کی مملکت میں شامل
ہے۔ یہاں ایک عیسائی سردار یوحنا نامی حکمران تھا۔ یہ دربارِ رسالت میں
حاضر ہوا۔ حضورؐ سے معاہدہ کیا اور تحفہ کے طور پر ایک خچر پیش کیا۔ رسولؐ
نے اسے ایک چادر عطا فرمائی اور ایسی شرائط پر معاہدہ کیا جس سے رسولؐ
کی فراخ دلی نمایاں تھی۔

۴ ۔ جرباء اور اذرح کے عیسائیوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ ان سرداروں
کو سرکارِ مدینہ کے وفادار رہنے اور خراج یعنی جزیہ ادا کرنے پر اپنے مذہب
پر پوری آزادی سے عمل کرنے کی اجازت عطا ہوئی اور نظامِ حکومت میں
کی کامل آزادی کو تسلیم کر لیا گیا۔

۵ ۔ مسلمانوں کی سلطنت رومیوں کی سرحدوں تک پھیل گئی۔ سرکارِ رسالتؐ
اس مہم میں ۵۰ دن مدینہ سے باہر رہے۔ رمضان ۹ھ میں واپس تشریف
لائے۔

قرطاسِ نصاریٰ

سرکارِ رسالتؐ نے سینٹ کیتھرائن کے راہبوں
کو جو جبلِ سینا میں آباد تھے " قرطاس

عطا فرمایا (Charter to the Christian)
جو اسلامی رواداری کی روشن اور عظیم الشان یادگار ہے۔ اس اعلان کے ذریعہ سے حضورؐ نے عیسائیوں کو نہایت اہم مراعات عطا فرمائیں اور اس فرمانِ رسالت کی خلاف ورزی کرنے والے مسلمانوں کیلئے سخت سزائیں تجویز فرمائیں۔ اس فرمان کی ضروری دفعات یہ تھیں:۔

۱۔ عیسائیوں کے گرجوں اور ان کے راہبوں کی خانقاہوں کی حفاظت کی جائے گی اور انہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے دیا جائے گا۔

۲۔ ان پر کوئی ناجائز ٹیکس عائد نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ کسی عیسائی پادری، قیس اور بشپ کو اس کے عہدے سے برطرف نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ کسی عیسائی کو اس کا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ مسجدیں یا مسلمانوں کے رہائشی مکان تعمیر کرنے کے لئے عیسائی گرجوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کی زوجیت میں ہونگی اپنے مذہبی حقوق سے بہرہ ور رہیں گی اور ان پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اگر عیسائیوں کو گرجوں اور عیسائی خانقاہوں کی مرمت یا دوسرے امور کے لئے مدد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان ان کی مدد کریں گے۔

سوالات

۱۔ مسلمانوں اور رومیوں کی چپقلش کے کیا اسباب تھے ؟

۲۔ غزوۂ موتہ کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیجئے ۔

۳۔ غزوۂ تبوک کے کیا اسباب تھے ؟

۴۔ غزوۂ تبوک میں سرکار رسالتؐ نے اپنا قائم مقام کسے قرار دیا اور اس کی کیا وجوہات ہیں ؟

۵۔ غزوۂ تبوک کے واقعات بیان کیجئے ۔

۶۔ غزوۂ تبوک کے خوشگوار نتائج کیا تھے ؟

۷۔ فرمان نصاریٰ سے کیا مراد ہے ؟ اس اعلان میں رسول اللہ نے عیسائیوں کو کن حقوق سے سرفراز فرمایا ؟

سولھواں باب

تبلیغ سورۂ برات، واقعۂ مباہلہ

ذلقیعدہ ۹ھ۔ مارچ ۶۳۱ء

جناب رسالت مآبؐ نے حضرت ابوبکر کو ۹ھ کے موسم حج میں سورۂ برات کی چالیس آیات کی تبلیغ پر مامور فرمایا لیکن حضرت ابوبکر کے روانہ ہوتے ہی وحی نازل ہوئی کہ تبلیغ یا آپ کریں یا علی۔ آپ نے اسی وقت حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کے پیچھے روانہ کیا اور حکم دیا کہ حضرت ابوبکر سے سورۂ برات کی آیات لے لیں اور خود تبلیغ کریں۔ حضرت علی خاص ناقۂ رسول پر سوار ہو کر چلے اور ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد حضرت ابوبکر کے پاس جا پہنچے اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کے مطابق آیات لے کر روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر وہیں سے واپس سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ کیا میرے خلاف کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حکم نازل ہوا ہے کہ تبلیغ میں کروں یا میرے اہل بیت میں سے کوئی کرے کوئی غیر نہیں کر سکتا۔ یہ واقعہ مسلمات فریقین سے ہے اور اکثر کتب تواریخ و احادیث میں درج ہے۔ اس واقعہ کے راوی جناب امیر علیہ السلام کے علاوہ ابن عباس، ابوسعید خدری

عبداللہ ابن عمر، ابوہریرہ، سعد بن ابی وقاص، ابورافع اور انس بن مالک ہیں۔[۱]

نہایت عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس سے کئی نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

۱۔ حضرت علی مرتضیٰ اہل بیتِ رسول سے ہیں۔

۲۔ جو کارِ رسالت رسول اللہؐ کر سکتے ہیں وہ علی مرتضیٰ ہی کر سکتے ہیں۔

۳۔ الٰہی حکم سے ہی خلافت و نیابت ہوتی ہے، امت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ جسے چاہے نیابت و خلافت کے لئے چن لے۔

۴۔ رسول اللہؐ بھی اللہ کے حکم کے بعد ایسا کر سکتے ہیں۔

۵۔ حضرت علی کی حضرت ابوبکر پر فضیلت صاف ظاہر ہوگئی۔

۶۔ رسول اللہؐ کی نیابت کے لئے موزوں ترین شخصیت حضرت علی علیہ السلام ہیں، ان سے بہتر اور زیادہ موزوں کوئی اور شخص نہیں ہو سکتا۔

۷۔ عمر میں زیادہ ہونا باعث فضیلت و ترجیح نہیں ہے۔

۸۔ حضرت ابوبکر تبلیغ سورۂ برات سے برطرف ہو کر واپس آئے اگر یہ منصب امارتِ حج تھا، تو حضرت علی کی سرداری میں حج کا قافلہ آگے چلا گیا۔ اگر حضرت ابوبکر امیرِ حج تھے تو پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں راستہ ہی سے پلٹے

---

[۱] ارجح المطالب باب ۳ ص ۵۰۰ از خصائص نسائی، کنز العمال ج ۶ ص ۲۴۶ حدیث نمبر ۴۲۰۰ و ص ۲۲۷ حدیث نمبر ۱۱۴۰، فتح الباری جلد ۸ ص ۲۲۸ تفسیر سورۂ برات، تاریخ حبیب السیر جلد ۱ جزء ۲ ص ۴۲ طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۱ ص ۱۲۱، صحیح بخاری پارہ ۲ ص ۲۳۸ کتاب الصلوٰۃ پارہ ۱۹ کتاب التفسیر ص ۲۲۱، تاریخ ابوالفدا جزء ۵ ص ۱۵۰، مستدرک حاکم جزء ۳ ص ۱۳۳ کتاب معرفت الصحابہ، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵۶، تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۰۹ و ص ۲۱۰، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۱۱، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۵۴

آنے کے کیا معنی؟

- حضرت عمر کا عذر کہ دعابہ (مزاح) کی وجہ سے حضرت علی امارت کے لائق نہیں غلط ثابت ہوا۔

قصۂ مباہلہ نجران مکہ معظمہ سے ستر میل کے فاصلہ پر ایک وسیع ضلع تھا، جہاں عرب عیسائی آباد تھے۔ یہاں مسیحیوں کا ایک عالی شان کلیسا بھی تھا، جسے وہ خانۂ کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ آنحضرت نے نجران کے علما کو دعوت دی۔ چنانچہ وہ مدینہ آئے اور حضورؐ سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ حضورؐ نے ہر بات کا مناسب جواب مرحمت فرمایا۔ مگر جواب پانے کے باوجود وہ کٹ حجتی کرنے لگے۔ بنا بریں حکم پروردگار کے مطابق سرکارِ دو عالم نے انھیں مباہلہ قسما قسمی کی دعوت دی۔ پہلے تو یہ تیار ہو گئے، لیکن جب آنحضرت حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور سیدۂ عالم کو لے کر جائے مقررہ پر پہنچے تو رعبِ عصمت سے اتنے متاثر ہوئے کہ اعترافِ شکست کرنا پڑا۔ سرکارِ دو عالمؐ فرماتے تھے کہ اگر نصارائے نجران مباہلہ کرتے تو اس دشت میں آگ برسنے لگتی۔ یہ واقعہ قرآن میں موجود ہے۔

سوالات

۱۔ واقعۂ تبلیغ سورۂ برات کو بیان کیجئے۔
۲۔ واقعۂ تبلیغ سورۂ برات سے کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں؟
۳۔ واقعۂ مباہلہ کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

ستترہواں باب

تبلیغ اسلام، قومی سلطنت، حجۃ الوداع، واقعۂ غدیرِ خم
ولیعہدی سرکارِ ولایت، علی مرتضیٰ ع
سیاسی و مذہبی کام کی تکمیل

تبلیغ اسلام

فتح مکہ کے بعد اسلام نہایت سرعت سے پھیلنے لگا۔ بہت سے قبائل عرب بغیر کسی تبلیغ کے مسلمان ہو گئے۔ غزوۂ تبوک کے بعد سرکارِ رسالتؐ نے تبلیغ کی مہم کو زیادہ تیز کر دیا۔ یمن، ایران کے ماتحت عرب صوبہ تھا۔ اس کے ایک قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمر نے اسلام قبول کیا۔ اس کے اثر و رسوخ سے اس قبیلہ کے اکثر افراد مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوہریرہ اسی قبیلہ سے تھے، اشعر قبیلہ کے لوگ خود بخود مسلمان ہو رہے تھے۔ مشہور صحابی ابوموسیٰ اشعری اسی قبیلہ سے تھے۔ یمن کا قبیلہ ہمدان تھا، اس قبیلے کے لوگوں نے عامر بن شہر کو تحقیقات کے مدینہ بھیجا۔ یہ بزرگوار سرکارِ رسالتؐ کی شخصیت، اخلاق اور تعلیمات اسلام سے بہت متاثر ہوئے۔ خود شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے

اور واپس جاکر اپنے قبیلہ کو اسلام سے مشرف کیا۔

تبلیغ میں خالد بن ولید کی ناکامی اور علی مرتضےٰ کی کامیابی

سرکارِ رسالتؐ نے یمن میں ایک باقاعدہ تبلیغی مشن خالد بن ولید کی سرکردگی میں بھیجا انہیں وہاں ناکامی ہوئی۔ چھ مہینے کے بعد ان کی جگہ مولا مرتضیٰ علیؓ کو روانہ فرمایا۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے ہمدان، مذحج اور جذیمہ کے قبائل مسلمان ہو گئے۔

عدان اور زبید میں ابوموسیٰ اشعری زبیر میں معاذ بن جبل اور صنعا میں خالد بن ولید نے تبلیغ کے فرائض انجام دیئے اور اسلام پھیل گیا۔ عراق اور شام کے دور دست مقامات میں بھی مبلغین کی مساعی جمیلہ سے اسلام کی اشاعت ہوئی اور عرب کا گوشہ گوشہ اسلام کے نور و ضیاء سے چمک اٹھا۔

عام الوفود

سنہ ۹ھ ، سنہ ۲۹ء / سنہ ۳۰ء وفود کا سال کہلاتا ہے۔ عرب کے مختلف قبیلوں نے مدینہ میں وفود بھیج کر اسلام قبول کیا۔ دولتِ اسلامیہ مدینہ سے وفاداری کے معاہدے کیئے۔

قومی حکومت اور قیامِ امن

سنہ ۱ھ میں مملکتِ مدینہ کی پوزیشن ایک شہری حکومت (City State) سے زیادہ نہ تھی، دس سال کے قلیل عرصہ میں وہ قومی سلطنت (National State) ہو چکی تھی۔ سارا ملک اس کی سیاسی اور مذہبی قیادت میں آچکا تھا۔ پیغمبرِ امن نے کامل طور پر اندرونی امن

ختم کر دیا تھا، خارجی فتنوں سے عرب مامون ہو چکا تھا۔ صیہونی حکومت (Jewish States) کے خواب پریشاں ہو چکے تھے، یہودی اور عیسائی مملکت کے محاصل و ٹیکس باقاعدہ ادا کر رہے تھے۔ اور اپنی وفاداری کا یقین دلا رہے تھے، انہیں حقوق شہریت عطا کئے گئے تھے اور وہ مذہبی آزادی سے مستفیض تھے۔

سرکار رسالتؐ اپنا کام مکمل کر چکے تھے

ایک یورپین مورخ مارگیولس اس سلسلہ میں اس طرح رقمطراز ہے:-

> محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا۔ آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی اور مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور ان میں ایک ایسا مستحکم رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔[۵]

حجۃ الوداع

سرکار رسالتؐ نے سنہ ۱۰ھ میں حج کا قصد فرمایا۔ یہ حضورؐ کا آخری حج تھا۔ عرب میں عام اعلان ہوا کہ حضورؐ بنفس نفیس حج کے لئے جا رہے ہیں۔ اس اعلان پر عرب کی تعداد کثیر مکہ میں جمع ہو گئی، ایک لاکھ آدمیوں کا اجتماع تھا۔ اللہ اللہ سنہ ۸ھ میں جو نبیؐ مکہ سے جلاوطن ہوا تھا وہ آج اپنے پیروؤں کی ایک لاکھ جمعیت کے ساتھ فریضہ حج ادا کر رہا تھا۔ اور تمام عرب

۵۔ اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۱۶۸

کا روحانی اور سیاسی قائد و سردار تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع

اس موقعہ پر رسول اللہؐ کے انداز اور گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ حضورؐ اب دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ حضورؐ نے ۹ ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں ایک مبسوط تقریر فرمائی جس کے اہم اقتباسات کو ہم درج کرتے ہیں۔ یہ تقریر آپ نے ناقہ القصویٰ پر سوار ہو کر فرمائی تھی۔ لوگو! میری بات غور سے سنو۔ شائد مجھے پھر تم سے ملنے کا اتفاق نہ ہو۔

امورِ جاہلیت اور غیر اسلامی تمدن سے نفرت

مسلمانو! میں جاہلیت کے ہر امر کو اپنے پاؤں سے پامال کر رہا ہوں اور جہالت کی سب رسمیں مٹا رہا ہوں۔

مسلمان کے خون کا احترام

جس طرح تم اس مہینہ میں اس دن کا احترام کرتے ہو اسی طرح ایک دوسرے کے مال، عزت و آبرو اور خون کا احترام کرتے رہو۔

آخرت کی بازپرس

اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام کا تم سے حساب لے گا۔ اور عنقریب تم اس کے حضور میں پیش ہو گے۔

خونریزی سے پرہیز

میرے بعد گمراہ ہو کر کشت و خون اور قتل و غارت کو اپنا شعار نہ بنا لینا۔

عورتوں کے حقوق لوگو! جس طرح عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اسی طرح ان کے متعلق تمہارے فرائض بھی ہیں۔ ان سے نرمی سے سلوک کرنا، اور مہربانی سے پیش آنا اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

غلاموں کے حقوق لوگو! غلام بھی اللہ کے بندے ہیں، ان پر ظلم نہ کرنا اگر ان سے خطا ہو تو معاف کر دینا تم ان کو وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

مساوات اسلامی لوگو! یاد رکھو سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے دوسرے پر حلال نہیں جب تک وہ خود خوشی سے اسے نہ دے۔

خلوص عمل و اتحاد مسلمانو! عمل میں خلوص، مسلمانوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد، یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں

اہل بیت ذریعۂ نجات لوگو! میرے اہل بیت تم لوگوں میں مثل کشتی حضرت نوحؑ ہیں، تم میں سے جو اس کشتی میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا اور جس نے ترک کیا وہ ہلاک ہوگا۔ میرے اہل بیت مثل باب حطہ بنی اسرائیل ہیں تم میں سے جو اس احاطہ میں داخل ہوگا وہ بخشا گیا[1]

---

[1] ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی بلخی ج اوّل ص۲۸ بروایت حضرت ابوذرؓ ترمذی نے اس حدیث کا حضرت ابوذر کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ یہ ہے جس کو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا ہے۔

ذریعہ ہدایت قرآن واہل بیتؑ

لوگو! میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، کہ اگر تم ان کے ساتھ تمسک کروگے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے، کتاب اللہ تو ایک لمبی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک ہے اور میری عترت واہل بیت یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ پس دیکھو میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کس طرح متمسک ہوتے ہو۔[1]

خاتم الانبیاء

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر آئے گا اور نہ کوئی اور جدید امت پیدا ہونے والی ہے۔

علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں

لوگو! علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔

عبادت الٰہی

لوگو! اپنے اللہ کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ماہ مبارک رمضان میں ایک مہینہ کے روزے رکھو۔ اپنے مال کی رضاکارانہ زکوٰۃ ادا کرو، خانۂ خدا کا حج کرو۔ آخر میں ارشاد فرمایا جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں، تبلیغ کریں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ بہتر طریقہ پر اس کلام کو یاد رکھیں اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوں۔

---

[1] ترمذی بروایت ابوسعید وزید بن ارقم و حذیفہ بن اسید و زید بن الحسن و بروایت ابوذر کما فی ینابیع المودۃ

آخری حج کے مقاصد

اس حج سے رسول اللہ کے مختلف مقاصد تھے: تذکرہ اسلاف حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کی یادگار منانا بلکہ عملاً سعی میں حضرت ہاجرہؑ کی دوڑ کی نقل اتارنا، حضرت اسماعیلؑ کے قربانی کے جانور کو شعائر اللہ قرار دے کر اس کی تعظیم کی تلقین فرمانا، صفا و مروہ دو پہاڑیوں کو جو تشنگی حضرت اسماعیلؑ اور مساعیٔ ہاجرہؑ کی یادگار ہیں۔ شعائر اللہ قرار دے کر ان کی عملاً تعظیم کا نمونہ پیش کرنا، صحیح توحید اور مصنوعی توحید میں امتیازی حدود قائم کرنا، مشرکانہ رسوم کا ابطال اور تبلیغ اسلام اسی لئے اس حج کو حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں

اعلان ولیعہدی علی مرتضیٰ بہ خم غدیر

مکہ سے روانہ ہو کر حبیب سرکار رسالتؐ مقام جحفہ پر پہنچے جو اہالی شام کا میقات ہے اور ایک بستی ہے اور قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر حضور وہاں سے تین میل آگے نکل گئے۔ یہاں پر غدیر خم کا میدان ہے اس جگہ حضور پر وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں ارشاد ہوا

"یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس"

(المائدہ پ ۶ ع ۱۰)

"اے رسول (امت تک) پہنچا دو (وہ پیغام) جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اگر تم نے عملاً ایسا نہ کیا تو خدا کی رسالت ہی ادا نہ کی، اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ

رکھے گا۔"[1]

چنانچہ خم نامی ایک تالاب کے کنارے پر تمام صحابہ کو روک دیا گیا۔ جو آگے بڑھ گئے تھے انہیں واپس بلایا اور جو پیچھے آرہے تھے ان کا انتظار ہوا، چونکہ یہ مجمع ایک لاکھ کا اور بروایتے ایک لاکھ بیس ہزار کا تھا۔ جس کے لئے وسیع میدان کی ضرورت تھی اور سوائے غدیر خم کے ساتھ ایک وسیع میدان تھا جو راستہ سے ڈیڑھ کوس پر واقع ہے۔ یہ مقام ٹھہرنے کی جگہ نہیں، شدید گرم جگہ ہے مگر اتنے مجمع کے لئے کسی اور جگہ گنجائش نہیں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکم الٰہی کی اہمیت کی وجہ سے یہیں ٹھہرنا پڑا، یہ مقام ایسا تھا جہاں سے مختلف راستے پھٹتے تھے اس سے آگے بڑھ کر سارا مجمع مختلف گروہوں میں بٹ جاتا۔ غدیر خم ایک ناہموار میدان تھا اور سارا کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ کانٹوں سے زمین صاف کی جائے نیز ببول کے درختوں کی شاخیں تراشی جائیں۔ تاکہ لوگوں کے سروں پر نہ لگیں، اونٹوں کے کجاوں کو جمع کر کے ایک منبر بنایا گیا، یہ سارا اہتمام بتلا رہا ہے کہ نہایت تاکیدی حکم تھا۔ حضور منبر پر تشریف لے گئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جسے ہم مختصراً خصائص نسائی

---

[1] غم غدیر کے موقعہ پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔ تفسیر منثور جلد ۲ ص ۲۹۸، اسباب نزول القرآن واحدی، ما نزل من القرآن فی علی واحدی، تفسیر ثعلبی، تفسیر کبیر فخر الدین رازی، مطالب السئول، تفسیر غرائب القرآن، فصول المہمہ، عمدۃ القاری کتاب التفسیر، تفسیر شاہی کتاب اربعین جمال الدین محدث، توضیح الدلائل، مفتاح النجا، حلیۃ الاولیاء، کتاب المناقب ابن مردویہ

سے نقل کرتے ہیں:۔

خطبہ جب جناب رسالت مآبؐ نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور مقام غدیر خم میں نزول اجلال فرمایا تو حکم دیا کہ منبر تیار کیا جائے۔ چنانچہ منبر تیار کیا گیا اور آنحضرتؐ نے اس پر رونق افروز ہو کر فرمایا:۔

میں جناب باری کی بارگاہ میں بلایا گیا ہوں اور میں نے حکم الٰہی کو قبول کیا ہے۔ اب میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑتا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسرے اپنے اہل بیتؑ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں پس دیکھو اور غور کرو کہ میرے بعد قرآن اور اہل بیتؑ سے کیونکر برتاؤ اور تمسک کرتے ہو۔ پھر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ میرا مولا اللہ تعالیٰ ہے اور میں کل مومنین کا ولی ہوں۔ بعد ازاں حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا میں ولی ہوں، علیؑ بھی اس کا ولی ہے۔ خداوند دوست رکھ اسے جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے[1]

اس واقعہ کو تقریباً ۱۱۰ علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اور تقریباً چالیس جلیل الشان صحابیوں نے روایت کیا ہے۔

---

[1] اکثر کتب فریقین میں ولی کی جگہ مولا کا لفظ ہے۔

حضرت علیؓ کی دستاربندی

خطبہ کے بعد جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؓ کے سر پر عمامہ باندھا اور اس کی تحت الحنک پیچھے کی طرف لٹکا دی۔[1]

صحابہ کی اس واقعہ پر مبارکباد

اس عظیم الشان واقعہ پر تمام صحابہ نے حضرت علیؓ کو مبارک باد دی حتیٰ کہ امہات المومنین نے بھی ہدیۂ تہنیت پیش کیا۔[2]

شعرائے دربارِ رسالتؐ نے قصائدِ تہنیت پڑھے

چنانچہ حسان بن ثابتؓ نے قصیدۂ تہنیت پڑھا[3] اور اسی موقعہ پر عمرو بن عاص نے مبارک باد میں قصیدہ پڑھا[4] بلکہ سعد بن عبادہ انصاری نے بھی اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔[5]

اس سارے واقعہ کے بعد آیۂ اکمال دین و اتمام نعمتِ الٰہی نازل ہوئی جس کے الفاظ اس طرح پر ہیں :۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

---

[1] ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۲۱۷، الاصابہ ج ۲ ترجمہ علی، کنز العمال جزء ۶ ص ۶۰ حدیث ۱۲۰۹ و ۱۲۱۲ مسند ابوداؤد طیالسی، فرائد السمطین، اشعۃ اللمعات جزء ۴ ص ۳۴۱، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۵

[2] قرۃ العینین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مسند احمد حنبل، تذکرہ خواص الامہ، معارج النبوۃ، تاریخ احمدی

[3] الازہار فی عقدۃ الاشعار جلال الدین سیوطی

[4] مناقب اخطب خوارزم

[5] تذکرہ خواص الامہ باب ۲ ص ۲۰، حبیب السیر، روضۃ الاحباب۔ مسند احمد حنبل الجزء ۴ ص ۲۸۱

"آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا، اور میں نے تمہارے لیئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔" اس پر آنحضرتؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ شکر ہے، اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت پر اور اس امر پر کہ خداوندِ تعالیٰ میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر رضامند ہوا۔ پھر فرمایا خداوندا دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے[1]

واقعہ خمِ غدیر کا مخالفینِ علیؑ پر ردِّ عمل

جناب امیر علیہ السلام کا اعلان ولیعہدی منافقین اور دشمنانِ علیؑ پر نہایت شاق گزرا کیونکہ ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اب انہوں نے لوگوں سے یہ ذہن نشین کرنے کی کوشش شروع کی کہ یہ اعلانِ خلافت خدا کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ سرکارِ رسالتؐ اپنے خاندان میں ہمیشہ کے لئے حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ خیال لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تو ہم رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد جسے چاہیں گے خلیفہ بنا سکیں گے۔

(حاشیہ شرحِ جامع صغیر سیوطی)

چنانچہ ایک شخص حارث ابن نعمان فہری نے اس جماعت کے خیالات کی ترجمانی اور نمائندگی کا حق ادا کیا۔

حارث بن نعمان فہری کا واقعہ

جب واقعہ غدیر کی خبر عام ہوئی تو ایک شخص حارث بن نعمان ناقہ

---

[1] فرائد السمطین، توضیح الدلائل، تفسیر درِ منثور جزو ۲ صفحہ ۲۵۹، ما نزل من القرآن فی علی

پر سوار ہو کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ناقہ کو ایک طرف باندھ کر حضور کے پاس آیا اور سرکارِ رسالت کو اس طرح مخاطب کیا:-

"اے محمد! تم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدا کو ایک اور تم کو اس کا رسول مانیں، ہم نے مان لیا۔ تم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم پانچ وقت نماز پڑھیں اور ماہ رمضان کے روزے رکھیں اور حج کریں، ہم نے تسلیم کر لیا۔ تم اس پر بھی راضی نہ ہوئے، اور اب تم نے اپنے ابنِ عم کو بازو پکڑ کر اٹھایا اور ہم پر فضیلت دی کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ اب بتلاؤ کہ علی کا مولا ہونا تمہارا طبعزاد ہے یا یہ بھی خدا کی طرف سے ہے؟ رسول اللہ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں کہ یہ امر بھی خدا کی طرف سے ہے۔ یہ سن کر حارث یہ کہتا ہوا ناقہ کی طرف روانہ ہوا، خدایا اگر یہ بات جو محمد نے کہی ہے حق ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر گرا دے کوئی اور دردناک عذاب بھیج ابھی وہ اپنے ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ نے اس پر آسمان سے پتھر برسایا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی

سأل سائل بعذاب واقع للكافرين ليس له دافع من الله ذی المعارج (سورۃ المعارج پ ۲۹ ع ۱)

مانگنے والے نے اوپر سے گرنے والے پتھر کے عذاب کو مانگا۔ جس سے کافروں کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ خدائے درجات والے کی طرف سے

نازل ہونے والا عذاب [۱]

واقعہ عقبہ اس ردِ عمل کا ایک واضح ثبوت واقعہ عقبہ ہے۔ جن منافقین نے قتلِ رسولؐ کا قصد کیا وہ پندرہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں اس بات پر عہد کیا کہ حضرت جس وقت شب کو وادی میں عقبہ پر پہنچیں اس وقت آپ کو سواری سے گرا دیں۔ عمار یاسر ناقہ کی مہار تھامے ہوئے تھے اور حذیفہ پیچھے سے ہنکا رہے تھے۔ حذیفہ کو اونٹوں کی آہٹ معلوم ہوئی اور ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ مڑ کر دیکھا کچھ لوگ نقاب سے منہ چھپائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا، دور ہو، دور ہو اے دشمنانِ خدا۔ رسول اللہؐ نے ان لوگوں کے نام حضرت حذیفہ کو بتلا دیئے تھے۔ جنہوں نے قتلِ رسولؐ کا قصد کیا تھا اور حضرت حذیفہ کو حکم دیا تھا کہ ان لوگوں کے ناموں سے لوگوں کو آگاہ نہ کریں۔ اسی وجہ سے حذیفہ کو صاحبِ سرِ رسول اللہؐ کہتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے ان کو قتل اس لئے نہ کیا۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں پہلے محمد مصطفٰےؐ نے کفار و مشرکین کو قتل کیا، خونریزی سے طبیعت سیر نہ ہوئی پھر اپنوں کو قتل کرنے لگے۔ نام اس لئے نہ بتلائے تاکہ یہ لوگ علانیہ خلاف ہو کر اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں [۲]۔

---

[۱] تفسیر القرآن ثعلبی، تذکرہ خواص الامہ باب ثانی، کتاب الاکتفاء فی فضائل الاربعۃ الخلفاء، معارج الوصول السعداء، جواہر العقدین، الکتاب الاربعین سید جمال الدین، فیض القدیر شرح جامع صغیر، عقد نبوی مصطفوی، مراط سوی محمود بن القاری، انسان العیون، وسیلۃ المآل، تفسیر شاہی، معارج العلیٰ مفتہ الندیہ، ذخیرۃ المآل، نور الابصار۔

[۲] روضۃ الاحباب، استیعاب باب حذیفہ، تفسیر کبیر، مسند احمد حنبل الجزو الخامس صفحہ ۳۹۰، احیاء العلوم غزالی، معارج النبوۃ باب ۱۲ رکن چہارم صفحہ ۲۰۱۔

سوالات

۱- سرکارِ رسالتؐ کی تبلیغی جدوجہد اور اس کے نتائج کو بیان کیجئے اور خالد بن ولید کی ناکامی کے بعد حضرت علیؑ کی کامیابی کو بیان کیجئے۔

۲- عام الوفود کے وفود کا کیا نتیجہ ہوا؟

۳- قومی سلطنت اور قیامِ امن کی تفصیل بیان کیجئے۔

۴- ثابت کیجئے کہ سرکارِ رسالتؐ اپنا کام مکمل کر چکے تھے

۵- حجۃ الوداع کے واقعات بیان کر کے حضور کے خطبہ کا خلاصہ بیان کیجئے۔ اس آخری حج کے مقاصد کیا تھے؟

۶- مقام غدیر خم میں آنحضرتؐ کو اپنے جانشین کے تقرر کا کس طرح حکم ہوا اور آپ نے اس حکم کی کس طرح عملاً تبلیغ کی!

۷- اس موقعہ پر علیؑ کی دستار بندی اور صحابہ کی مبارک باد اور شعرا کی قصیدہ خوانی کے واقعات بیان کیجئے۔

۸- آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم کا شانِ نزول بیان کیجئے

۹- واقعہ غدیر خم کا جو مخالفین علیؑ پر ردِعمل ہوا اسے بیان کرو اور حارث بن نعمان فہری کا واقعہ بھی بیان کرو۔

۱۰- واقعۂ عقبہ کو بیان کیجئے۔

اٹھارہواں باب

جیشِ اسامہؓ کی تیاری، علالت سرکارِ رسالتؐ، واقعۂ قرطاس، امامت حضرت ابی بکر، رسول اللہؐ کی حضرت علیؑ سے رازگوئی، وفات، تجہیز و تکفین

جیشِ اسامہ کی تیاری (جنگِ موتہ میں) حضرت زید بن حارثہ کو سرحدِ شام کے عربوں نے شہید کر ڈالا تھا۔ آنحضرتؐ ان سے قصاص لینا چاہتے تھے۔ آغازِ علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اسامہ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر شام کی طرف جائیں اور شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں[1]۔ جنگِ موتہ جمادی الاوّل ۸ھ کا واقعہ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکارِ رسالتؐ نے تقریباً دو سال سات مہینے تک قصاص کا قصد کیوں نہ فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ عالمِ علمِ لدنی رسول اللہؐ نے جو واقفِ اسرارِ خفی و جلی تھے مناسب نہ سمجھا کہ اس شکست کا بدلہ اسی وقت لیا جائے۔ بلکہ اس کو ایک خاص

[1] سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۳۴

وقت کے لئے ایک خاص مقصد کے پیش نظر ملتوی فرما دیا۔ جنگ موتہ جمادی الاول ۸ھ میں ہوئی، رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، خانۂ کعبہ سے بت نکالے گئے شوال ۸ھ کو جنگ حنین ہوئی، پھر محاصرۂ طائف ہوا، رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک ہوا پھر چاروں طرف وفود بھیجے گئے آخر موتہ کے قصاص کو دو سال سات مہینے ملتوی کر کے اس مہم کو عین اپنی علالت سے ایک روز پہلے کیوں آغاز کیا گیا؟

رسول اللہ جانتے تھے کہ بعض حضرات میرے بعد علیؑ کی خلافت نہیں چاہتے، میری رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے اگر ایسے لوگ میری رحلت کے وقت مدینہ سے دور ہوں گے تو اپنے منصوبوں کو عمل میں نہیں لا سکیں گے، اور اس طرح میری منشا کے مطابق امت کو صراطِ مستقیم پر چلانے والا منصوص من اللہ ہادی مل جائے گا۔

علالت سے ایک روز قبل آپ نے جیش اسامہ کی ترتیب فرمائی۔ سوائے علیؑ و بنو ہاشم سب صحابہ کو شامل ہونے کا حکم دیا۔ حالانکہ جعفر طیارؑ کے قصاص کے لئے بنو ہاشم اور علیؑ کو شریک کیا جا سکتا تھا۔ اس لشکر میں خصوصیت سے بڑے بڑے مہاجر و انصار حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت سعد بن وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہم جیسے جلیل الشان صحابی ایک غلام زادہ کے زیر کمان جس کی عمر صرف انیس، بیس برس کی تھی، روانہ کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اس صورت میں یہ اکابرِ ملت جانا نہیں چاہتے خصوصاً جب کہ حضور کی علالت کا سلسلہ بھی شروع ہو

۱؎ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۳۰ و ۵۳۱، تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۷۱، تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۸۸ و ۱۸۹، تاریخ کامل ج ۲ صفحہ ۱۲۰، حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صفحہ ۷۷

چکا تھا) جب رسول اللہؐ کو یہ علم ہوا تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے۔ باوجودیکہ بخار کی شدت تھی اور دسر بھی تھا۔ آپ سر پر پٹی باندھ کر گھر سے باہر نکلے۔ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:-

"اے گروہِ مردم! یہ کیا بات ہے جو تم اسامہ کو امیر بنانے کے متعلق کر رہے ہو۔ تم لوگوں نے اس کے باپ کی امارت کے متعلق بھی ایسی باتیں کی تھیں۔ خدا کی قسم وہ امارت کے لائق ہے اور اس کا باپ بھی اسی طرح لائق تھا۔ اس کے بعد آپ منبر سے اتر کر تشریف لے گئے۔"[۱]

الغرض رسول اللہؐ کی شدت مرض بڑھتی گئی اور مامورین لشکر اسامہ نے مدینہ نہ چھوڑا۔

اس واقعہ میں چند امور قابلِ غور ہیں:-

۱۔ اسامہ کے لشکر کو جنگِ موتہ کی شکست اور زید کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے مرتب کیا گیا تھا حضرت جعفر طیار، حضرت علی کے بھائی بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے تھے تاہم بنی ہاشم یا علیؑ کو اس جنگ میں نہیں بھیجا۔

۲۔ جنگِ موتہ کو دو سال سات ماہ گزر چکے تھے اب حدود شام کے نصرانیوں کی طرف سے پہل بھی نہیں ہوئی تھی۔

۳۔ رسول اللہؐ اب اس جنگ کے لئے باوجود علالت جلدی فرما رہے تھے

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۳۰ ، ۵۳۱ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۸۸ و صفحہ ۱۸۹ ، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صفحہ ۴

اور اس میں ڈھیل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

۴۔ بنو ہاشم، حضرت علی بلکہ ان کے رفقا عمار یاسر، مقداد، ابوذر اس جنگ میں مامور نہیں کئے گئے۔

۵۔ اس کے برعکس مشاہیر صحابہ عبدالرحمٰن ابن عوف، طلحہ و زبیر، ابوعبیدہ الجراح حضرت ابوبکر و حضرت عمر اسامہ کے ماتحت مامور ہوئے۔

۶۔ سرکار رسالت کی تاکید کے باوجود لوگ نہیں گئے۔

۷۔ افضل کی موجودگی میں مفضول حاکم و والی نہیں ہو سکتا اسی بنا پر صحابہ کو اعتراض تھا اور اسی اصول کو صحیح مان کر آپ نے کہا کہ اسامہ تم سے بہتر ہے

۸۔ جو لوگ رسول اللہ کی زندگی میں احکامِ رسالت کی تعمیل میں اس طرح انماض کر رہے ہوں، ان سے بعد رحلتِ سرکار رسالت حضرت علی کی جانشینی کو قبول نہ کرنا بعید نہیں ہے۔

قضیۂ قرطاس سرکارِ رسالت کو علی علیہ السلام کی خلافت کے متعلق اپنے بعض صحابہ کے ارادوں کا پتہ چلتا جاتا تھا جیش اسامہ کی مہم نے ان کی تجویزوں پر سے تمام پردے اٹھا دیئے تھے۔ آپ کی شدت مرض بھی برابر بڑھتی جا رہی تھی اور لوگ بھی سمجھ رہے تھے کہ اب حضور کا آخری وقت ہے، رسول اللہ نے حجت پوری کرنا چاہی اور مناسب سمجھا کہ وصیت کو تحریر کر دیا جائے۔ ابن عباس سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول پر سختی مرض بڑھی تو رسالت کدہ میں عمر ابن خطاب اور دیگر حضرات موجود تھے۔ سرکار رسالت نے ارشاد فرمایا کہ آؤ میں تمہارے لئے ایسا وثیقہ لکھ دوں کہ اس کے

تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ بولے کہ حضور پر ہذیانی کیفیت طاری ہے، وصیت
دیرہ کی کیا ضرورت؟ ہمارے پاس تو قرآن شریف موجود ہے اور کتاب اللہ
ہی محض ہمارے لئے کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا۔ ان میں سے
بعض تو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ کے ارشاد کی تعمیل کرو۔ اکثر وہ کہتے تھے
حضرت عمر نے کہا۔ جب بہت شور و غل ہوا تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا
میرے پاس سے چلے جاؤ۔ چنانچہ ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مصیبت اور
سخت مصیبت تھی جو ان لوگوں کے شور و شغب کی وجہ سے رسول اللہؐ کے
ارادہ کتابت وصیت میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کچھ نہ لکھ سکے[۱]۔
کہا جاتا ہے کہ حضرت علی نے قلم دوات کیوں نہ دیا۔ اول تو حضرت علیؑ
وہاں موجود ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ اگر موجود بھی تھے تو مخالف
گروہوں میں جوش اتنا بڑھ گیا تھا کہ حضرت علیؑ کے قلم دوات پیش کرنے
ہنگامہ بپا ہو جاتا جو حضورِ رسالت میں شایان نہ تھا، نیز کہنے والے کہتے کہ
سرکارِ رسالت کی شدت مرض میں حضور کی بے ہوشی کی حالت میں علیؑ
نے جو چاہا لکھوا لیا۔ غرضیکہ بعض صحابہؓ کرام کے طرزِ عمل سے ایسی صورت
حال پیدا ہو گئی تھی جس نے وصیت کا مقصد ہی فوت کر دیا تھا۔ اس واقعہ
کے بعد پھر نہ سرکارِ رسالت کے پاس ایسا مجمع ہوا نہ آپ اس خواہش کا
اظہار کر سکے اس صدمہ کے بعد جو صحابہ کے اس رویہ سے سرکارِ رسالتؐ

---

[۱] صحیح مسلم الجزء الخامس کتاب الوصیۃ ص ۷۵-۷۶ مطبوعہ محمد علی صبیح ان الازہر مصر بخاری میں یہ روایت کئی جگہ موجود ہے۔ کتاب الجہاد والسیر کتاب الاعتصام باب کراہۃ الاختلاف مسند احمد حنبل الجزء الاول ۲۲۲ و ص ۳۵۵۔ کنز العمال مشکوٰۃ کتاب الفتن ص ۵۳۸ مطبع مجتبائی طبقات ابن سعد کتاب الملل والنحل وغیرہ

پر ہوا حضور کا مرض بڑھتا گیا۔

قضیۂ امامت ابی بکر

کہا جاتا ہے کہ سرکارِ رسالت نے شدتِ مرض پر حضرت ابی بکر کو نماز باجماعت پڑھانے کا حکم دیا اور اسے حضرت ابوبکر کی خلافت کی دلیل بنایا جاتا ہے۔ مگر حضرت ابوبکر کی امامت کے متعلق جو روایات ہیں ان میں اس قدر شدید اختلاف واضطراب موجود ہے جو اس واقعہ کے غیر صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔

کسی روایت میں ہے کہ عبداللہ ابن زمعہ نے پہلے حضرت عمر اور پھر حضرت ابوبکر کو کھڑا کر دیا[1]

کسی میں ہے کہ بلال آئے اور نماز کے متعلق اجازت چاہی۔ آنحضرت نے کہا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ پڑھائیں[2]

کسی روایت میں بلال کا ذکر نہیں۔ سرکارِ رسالت نے عبداللہ بن زمعہ کو بلا کر خود کہا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ انہوں نے ابوبکر کو باہر نہ پایا تو حضرت عمر سے کہا آپ نماز پڑھائیں۔ جب رسول اللہ نے آواز سنی تو تین بار فرمایا کہ خدا اور مسلمان انکار کرتے ہیں کہ عمر نماز پڑھائے[3]

کسی روایت میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر نماز پڑھانے میں مصروف تھے رسول اللہ نے مرض میں کمی محسوس کی پس دو آدمیوں پر سہارا دیکر آپ باہر نکلے آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ جب لوگوں نے دیکھا تو ابوبکر کو بتلایا ابوبکر

---

[1] سیرۃ ابن ہشام الجزء ۴ ص ۳۳۰ [2] مسند احمد حنبل الجزء الاول ص ۳۵۶
[3] تاریخ الخمیس حسین دیار بکری الجزء الثانی ص ۱۸۱

پیچھے ہٹنے لگے۔ آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ آنحضرتؐ آئے اور بیٹھ گئے۔ ابوبکرؓ پیچھے داہنے طرف کھڑے ہوئے پس ابوبکرؓ تو نماز میں آنحضرتؐ کی اقتدا کرتے جاتے تھے اور لوگ ابوبکر کی آواز پر نماز پڑھتے جاتے تھے صحیح قول ہے کہ ابوبکرؓ رسولؐ کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتدا کرتے جاتے تھے[1]

ایک روایت میں ہے کہ بلال نے آ کر یاد نہیں دلایا بلکہ رسول اللہؐ نے خود دریافت فرمایا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے کہا ابوبکر سے کہدو کہ نماز پڑھائیں۔ عائشہؓ نے کہا کہ وہ رقیق القلب ہیں۔ آپ یہ حکم عمر کو دیں اس پر جناب رسولِ خدا نے کہا اچھا عمر سے کہدو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن عمر نے کہا۔ واہ ابوبکر کے ہوتے ہوئے میں کیونکر نماز پڑھا سکتا ہوں۔ پس ابوبکر نے نماز پڑھائی[2]

ایک روایت میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے پردہ جو ہٹایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ صف درصف ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں[3]

ایک روایت میں حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ جناب رسالتمآب نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھائیں میں نے کہا حضرت ابوبکر نرم دل ہیں بہتر ہے کہ عمر پڑھائیں پھر حضور نے حکم دیا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ پڑھائیں۔ بی بی عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے بی بی حفصہ

---

[1] مسند امام احمد حنبل الجزو اول صفحہ ۲۳۲

[2] تاریخ طبری الجزو الثالث صفحہ ۱۹۷

[3] مسند احمد حنبل الجزو الاول صفحہ ۲۳۱، الجزو الثالث صفحہ ۱۹۶

سے کہا کہ تم رسول خدا سے عرض کرو کہ ابوبکر نرم دل ہیں۔ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر ان کی آواز نہیں نکل سکے گی۔ بہتر ہے کہ عمر پڑھائیں۔ حفصہ کہتی ہیں۔ میں نے اسی طرح کہا۔ رسول اللہ نے فرمایا تم تو زنان مصر کی طرح ہو[1]

۱۔ پھر یہ نہیں آتا کہ اتنے اختلاف کے باوجود خلافت جیسے اہم مسئلہ میں کسی ایسی ہدایت کو کیوں کر پیش کیا جا سکتا ہے؟

۲۔ اگر خلافت کی دلیل تھی تو حضرت ابوبکر نے اسے انصار کے مقابلے میں کیوں پیش نہ کیا اور قریشی ہونے کی خاندانی فوقیت پر ہی کیوں اکتفا کیا؟

۳۔ اگر آنحضرت ابوبکر کو نماز کیلئے کہنا چاہتے تھے تو خود ہی کیوں نہ فرما دیا؟

۴۔ اگر آنحضرت کا یہی مقصد تھا کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھائیں تو جب ان کے نماز پڑھنے کا علم ہوا تو باوجود کمزوری اور بیماری کے خود کیوں تشریف لے گئے؟

۵۔ اور عام مسلمانوں کے نزدیک تو امامت نماز کی کوئی خاص اہمیت اور فضیلت ہی نہیں۔ انکے عقیدہ میں جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا۔ الصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برًا کان او فاجرًا وان عمل الکبائر۔ یعنی تم پر لازم ہے کہ جو مسلمان ملے خواہ وہ نیک ہو خواہ فاسق و فاجر اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو خواہ وہ کبیرہ گناہ ہی کرتا ہو۔
(مشکوٰۃ باب الامامت)

حضرت علیؑ کی یاد اور بعض اُمہات المومنین کی حسرتیں | اس مرض کے دوران میں

[1] صحیح مسلم الجزء الثانی کتاب الصلوٰۃ ص ۲۱ – ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ – صحیح بخاری کتاب الاذان و کتاب الاعتصام سنن ابن ماجہ ص ۱۱۸ – تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۲۳ – الطبری جلد ۳ ص ۱۹۵

رکھا ہوا تھا آپ نے فرمایا کہ علیؑ کو میرے پاس بلاؤ۔ حضرت عائشہ نے کہا کاش آپ ابوبکر کو بلاتے اور حفصہ نے کہا کاش آپ عمر کو بلاتے پس اتنے میں یہ حضرات وہاں جمع ہو گئے آنحضرتؐ نے جب حضرت علیؑ کو نہ دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اگر تمہاری ضرورت ہوگی تو میں خود تمہیں بلوا لونگا۔[1]

ایام مرض میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی علیؑ کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے اور نزدیک سرہانے بیٹھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا سر تکیہ سے اٹھایا اور حضرت علیؑ کو اپنی بغل میں لے لیا اور آنحضرتؐ کا سر آپکے بازو پر تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی سے میں نے تجہیز جیش اسامہ کیلئے کچھ قرض لیا تھا سو دیکھو ضرور بالضرور اسے میری طرف سے ادا کر دینا اے علیؑ تم پہلے وہ شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے میرے بعد تم کو بہت سے مصائب اور تکالیف پہنچیں گی تمہیں چاہئے کہ دل تنگ نہ ہو اور صبر کرو۔ اور جب دیکھو کہ لوگوں نے دنیا اختیار کی تو تم آخرت اختیار کر لینا۔[2]

جناب رسول خدا نے اپنے مرض موت میں فرمایا:۔

اے لوگو! عنقریب میں بہت جلد رحلت کر جاؤں گا اور خدا کا فرستادہ مجھ کو لے جائیگا پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں تاکہ تمہیں کوئی عذر باقی نہ رہے خبردار میں تمہارے درمیان کتاب خدا اور اپنی عترت چھوڑ کے جاتا ہوں پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا یہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔ پس ان دونوں سے ہی پوچھتے رہنا کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے۔[3]

---

[1] تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۱۹۶ و تاریخ منتخب التواریخ و تاریخ روضۃ الاحباب
[3] صواعق محرقہ ابن حجر مکی الباب التاسع الفصل الثانی صفحہ ۷۵

سرکارِ رسالت کی زندگی کے آخری لمحات

رسول اللہ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں حضرت علی ہی کے پاس تھے حضور کا سر مبارک آغوشِ علیؑ میں تھا کہ حضرت نے رحلت فرمائی۔[1]

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ جب جناب رسالتمآب کا وقت وفات قریب ہوا تو آپ نے فرمایا میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ۔ میں نے حضرت ابوبکر کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو حضرت نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر سر تکیہ پر رکھ لیا اور پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ میں نے عمر کو بلوایا۔ آپ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھ لیا اور پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ۔ پھر میں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے۔ علیؑ کو بلاؤ۔ کیونکہ آپ حضرت علی کے علاوہ اور کسی کو بلانا نہیں چاہتے۔ جب علیؑ آگئے، اور رسول اللہ نے انہیں دیکھا تو وہ کپڑا جو اوڑھے ہوئے تھے آپ نے اٹھا لیا اور علیؑ کو اس میں داخل کر لیا اور علی کو اپنے سینے سے لگائے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت بھی آپ کا ہاتھ علیؑ کے اوپر تھا۔[2]

تجہیز و تکفین یہ امر تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ جناب رسالتمآب کو آخری غسل جناب امیر علیہ السلام نے دیا اور حضور کو قبر میں اتارا۔[3]

آنکہ روزِ وفاتِ پیمبر — خلافت گذارد بماتم نشیند (رفیعی)

---

[1] یہ فخر الدین رازی اور دار قطنی نے لکھا ہے ارجح المطالب باب چہارم ص ۶۹۳ نیز آغوش علی میں ہونے کے متعلق دیکھو طبقات ابن سعد ق ۲ جلد ۲ ص ۵۱، مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۵۳ و ص ۵۵۵ مطبوعہ نولکشور، کنز العمال جلد ۴ باب ۱۲ فصل ۲ ص ۲۵۳، وسیلۃ النجات ص ۲۳ و ص ۲۴۔

[2] تاریخ الخمیس الجزو ثانی ص ۱۹۱ و ص ۱۹۲، استیعاب الجزو الاوّل ص ۲۰۷ ترجمہ علی، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۴۲، و ص ۴۵، طبقات الکبریٰ ابن سعد ق ۲ ص ۲۰، ۲۱ و ص ۴۹ و ص ۵۸

حضرت ابوبکر و عمر تجہیز و تکفین رسول میں شریک نہیں تھے

جب حضرت ابوبکر کو فراغت ہوئی تو وہ سقیفۂ بنی ساعدہ سے واپس ہوئے اور مسجد نبوی میں منبر پر تشریف لے گئے اور وہاں بھی لوگ انکی بیعت کرتے رہے حتیٰ کہ دن گزر گیا اور اس مشغولیت نے لوگوں کو دفن رسول میں شریک ہونے سے محروم رکھا آخر شب سہ شنبہ اور صبح تک حضرت ابوبکر اخذ بیعت میں مشغول رہے عروہ سے مروی ہے کہ سرکار رسالت کے دفن کے وقت حضرت ابوبکر و عمر موجود نہ تھے۔ بلکہ اسوقت دونوں مجمع انصار میں خلافت کیلئے جھگڑ رہے تھے اور ان دونوں حضرات کے وہاں سے آنے سے پہلے رسول خدا دفن ہو چکے تھے[1] حضرت ابوبکر کی اس دنیاوی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ آپکو یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ رسول اللہ کی وفات کس دن ہوئی چنانچہ آپ بی بی ام المومنین عائشہ سے پوچھا کرتے تھے کہ تم نے رسول اللہ کو کتنی چادروں میں کفن دیا اور حضور کی وفات کس دن ہوئی[2]

منگل کے روز آپکی تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا۔ اس میں عموماً آپکے اعزہ یعنی حضرت حضرت عباسؓ حضرت فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زید وغیرہ شریک تھے[3]

جناب امیرالمومنینؑ نے جب بیعت ابی بکر سے انکار کیا اور اپنے استحقاق خلافت کیا تو بشیر بن سعد انصاری نے یہ سنکر کہا۔ یا علی اگر یہ کلام انصار پہلے سنتے تو آپکے سوا کسی دوسرے کی بیعت کبھی نہ ہوتی۔ آپنے فرمایا۔

---

[1] سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ و صفحہ ۳۹۳ تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۱۹۰ و صفحہ ۲۰۱ تاریخ کامل ج ۲ صفحہ ۱۲۳ کنز العمال جلد ۳ کتاب الخلافت صفحہ ۱۳۰ حدیث صفحہ ۲۳۲۰۔ [2] صحیح بخاری شریف باب وفات یوم الاثنین
[3] تاریخ اسلام مؤلفہ سید عبدالقادر صاحب مرحوم ریڈر فیصلہ محمد شجاع الدین صفحہ ۱۵۰

"کیا میں رسول کو بے گور و کفن چھوڑ دیتا اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جا کر خلافت کیلئے تم سے نزاع کرتا۔ یہ تو مجھے کسی بھی گوارا نہ ہوتا، اور نہ ہی میرے لئے زیبا تھا۔[1]

کاش تجہیز و تکفین رسالت کے لئے تمام صحابہ میں ایسا احساس ہوتا تو دنیا کے محسن اعظم محمد مصطفےٰ کے جنازہ میں چند گنتی کے انسان نہ ہوتے اور لوگوں کو مصطفےٰ والے کفن گناہ و شستہ" کہنے کا موقع نہ ملتا۔ اپنے قائد روحانی کے جنازے کے ساتھ ایسے سلوک کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

سوالات

۱۔ لشکر اسامہ کی تیاری کو بیان کر کے قابل توجہ امور کو واضح کیجئے۔

۲۔ قضیۂ قرطاس کو بیان کیجئے۔

۳۔ قضیۂ امامت نماز ابوبکر کو بیان کر کے اس شدید اختلاف کو واضح کرو۔ جو اس واقعہ کے غیر صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ ثابت کیجئے کہ روایت امامت ابی بکر استدلال کے طور پر پیش نہیں کی جا سکتی۔

۵۔ سرکار رسالت کا شدت مرض میں حضرت علی کو یاد فرمانا اور اس پر ام المومنین عائشہ، ام المومنین حفصہ کی حرکتوں کو بیان کیجئے۔

۶۔ سرکار رسالت نے جو علی مرتضیٰؑ کو وصیتیں کیں انہیں بیان کیجئے۔

۷۔ سرکار رسالت نے مرض الموت میں امت کو کیا وصیت کی

۸۔ سرکار رسالت کے آخری وقت اور حضرت علی کی یاد کو بیان کرو۔

۹۔ سرکار رسالت کی تجہیز و تکفین کے واقعات بیان کرو اور بتاؤ کہ مشاہیر نے اس میں شرکت کیوں نہیں کی!

---

[1] کتاب ۱۲ الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ

انیسواں باب

اخلاق و اوصاف محمدیہ ارواحنا لہ الفدا

تاریخ کی حیثیت سے ہماری اس تالیف میں صاحب خلق عظیم محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداکے اوصاف جلیلہ، اخلاق حمیدہ وصفات مجیدہ کا ضمناً تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن اس عظیم الشان انسان کے کردار و سیرت کے ن کے لئے جو اللہ کی طرف سے مصلح اعظم انسانیت بن کر آیا ہو، جو رب العالمین کی تمام مخلوق پر رحمۃ للعالمین بھی ہو اور نذیراً للعالمین بھی اور مام عالم کی اخلاقی، اقتصادی، روحانی اور سیاسی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا جس نے تمام عالم کی اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی قدروں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہو ایک بے پایاں دفتر کی ضرورت ہے۔

قرآن ترجمان اخلاق

حضرت ام المومنین بی بی عائشہ سے جب سرکار رسالتؐ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا۔ انھوں نے جو کچھ بیان کیا وہ مختصر سا جملہ "خلقہ القرآن" ہے۔ یعنی حضورؐ کے اخلاق کی اگر معرفت درکار ہو تو قرآن پڑھو جو کچھ قرآن کے الفاظ میں ہے سیرت محمدیہ میں عمل کا بہروپ لئے ہوئے ہے۔ قرآن الفاظ خدا (Words of God) ہیں۔ اور محمدؐ فعل خدا

(Words of God) ہیں۔ رسول اللہ بنی نوع انسان کے لئے نمونۂ کاملہ (Perfect Ideal) ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے مسلم کو آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کی سیرت کا یہ کمال بلکہ معجزہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی سیرت سے تیرہ نمونۂ ہائے کاملہ اور پیدا کئے۔ یہ بھی سرکار رسالت کا اسی طرح اعجاز ہے جس طرح قرآن اعجاز ہے۔ قرآن الفاظ کے لحاظ سے اعجاز ہے تو آلِ محمدؐ کے تیرہ معصوم اعمال و افعال کے لحاظ سے معجزہ ہیں۔ اگر کوئی کتاب تعلیمات کے لحاظ سے معجزہ ہو سکتی ہے تو ان تعلیمات کو جامۂ عمل پہنانے والے کیوں معجزہ نہیں۔ دنیا کا کوئی عظیم انسان اپنی عظمت کو پورے طور پر اپنی اولاد میں اس طرح منتقل نہیں کر سکا۔ جس طرح سرکارِ رسالتؐ نے اپنی آغوش میں پلنے والے بچوں میں منتقل کیا کہ جسے بھی دیکھو محمدؐ نظر آتا ہے گویا یہ انسان محمدؐ نما آئینے ہیں۔

اگر ام المومنین نے رسول کے متعلق کہا کہ رسول اللہؐ کا خلق قرآن ہے تو خود رسول اللہؐ نے اپنے تربیت کردہ علی مرتضٰیؑ کے متعلق فرمایا۔ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ کے اعمال قرآن کو بیان کرنے والے ہیں، اور قرآن کے الفاظ علیؑ کو بیان کرتے ہیں۔

حدیث ثقلین اہل بیتؑ کے متعلق فرمایا۔ "میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور ایک میری عترت و اہل بیت اگر تم لوگ ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔ یعنی قرآن کے الفاظ کو جامۂ عمل پہناتے

رہو گے اور عترت و اہل بیت کے افرادِ معصومین کی سیرت میں اپنی سیرت کو ڈھالتے رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ بروزِ قیامت میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں۔

فاطمۃ بضعۃ منی سیدہ طاہرہؑ کے لئے فرمایا "فاطمہؑ میرا ایک حصہ ہے" یعنی نمونۂ کاملہ کے لحاظ سے میرے دو حصے ہیں۔ میں مردوں کے لئے نمونۂ کاملہ ہوں اور فاطمہؑ عورتوں کے لئے نمونۂ کاملہ ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے لئے فرمایا "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔"
بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہؐ اپنی سیرت کاملہ کے نمونہ اور تعلیماتِ قرآنیہ سے ایک بھی معصوم انسان پیدا نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ نبی نوعِ انسان کے تزکیہ نفس کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ رسول کی تنقیص شان اور رسول اللہؐ اور تعلیمات قرآن کی توہین ہے۔ رسول اللہؐ نے اپنی سیرت کے سانچے میں معصوم انسان بھی ڈھالے اور غیر معصوم انسانوں نے بھی اپنی صلاحیت و قابلیت و استعداد کے مطابق فائدہ اٹھایا۔

قرآن پاک نے انسانِ اعظم و رسول اکرم محمد مصطفےٰؐ کے اخلاق کا جامع مرقع انک لعلیٰ خلقٍ عظیم کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ یعنی اے رسولؐ تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔ آئیے اب سرکارِ رسالتؐ کے جمالِ صورت و سیرت کے خدوخال سے استفادہ کیجئے۔

حلیہ مبارکہ سرکارِ رسالتؐ کا قد میانہ تھا اور اعضا متناسب و موزوں۔ رنگ گورا سرخی مائل۔ پیشانی کشادہ اور ابرو پیوستہ، بینی مبارک

قدرے لمبی تھی، دہن مبارک چوڑا تھا۔ سر کے بال زیادہ گنجان نہیں تھے نہ بالکل سیدھے تھے نہ گھونگھر والے، ریش مطہر گھنی ہوئی۔ چہرا لمبا، آنکھیں سیاہ سرگیں اور لمبی پلکیں تھیں۔ شانے بھرے بھرے اور دونوں مونڈھوں کی ہڈیاں چوڑی اور شانوں پر بھی بال تھے۔ سینۂ اقدس سے ناف اطہر تک سیاہ بالوں کی ایک لکیر قائم تھی ہتھیلیاں چوڑی تھیں اور بھری بھری، کلائیاں لمبی تھیں، پاؤں کی ایڑیاں ہلکی اور نازک تھیں، کف پا اتنے گہرے تھے کہ ان کے نیچے سے پانی نکل جاتا تھا[1]

رفتار و گفتار

سرکارِ رسالت میانہ رفتار تھے لیکن ضرورت کے وقت جب تیز چلتے تھے تو رفتار اس قدر تیز ہو جاتی تھی کہ گویا آپ ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ حضور فطرتاً شیریں گفتار تھے اور نرم زبان، لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ جدا جدا اور ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے تھے۔ تاکہ سننے والے کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ اثنائے گفتگو میں ایک ایک بات کو تین تین مرتبہ فرماتے تھے جس بات پر زور دینا ہوتا تھا اس کا بار بار اعادہ فرماتے، بلند آواز اور نہایت خوش الحان تھے۔ بے ضرورت کبھی گفتگو نہیں فرماتے تھے، اکثر اوقات متفکر رہا کرتے تھے اور زیادہ تر خاموش رہتے تھے، ہاتھ سے اشارہ کرنا ہوتا تو پورا ہاتھ اٹھاتے اور ہتھیلی کا رُخ بدل دیتے۔ دوران تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں ہنستے بہت کم تھے مسکراہٹ آپ کی ہنسی تھی[2]

---

[1] حیوٰۃ القلوب علامہ مجلسی و شمائل ترمذی

[2] عین الحیوٰۃ علامہ مجلسی و سیرۃ النبی شبلی

کبھی مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ دلجوئی اور تسکین دہی کے انداز میں تقریر فرماتے تھے۔ آپ کا کلام زوائد اور لغویات سے بالکل پاک ہوتا تھا، اور خلافِ مطلب کوئی بات نہیں فرماتے تھے، پُرمعنی فقرات فرماتے تھے، آپ کے مختصر کلمات میں بہت سے معانی و مطالب ہوتے تھے۔ آپ کا کلام حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا تھا۔[1]

خوراک سرکارِ رسالتؐ سادہ اور معمولی کھانا کھاتے تھے۔ مثلاً جو اور خرما وغیرہ جو آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، آپ تناول فرما لیتے تھے اور کسی چیز کے کھانے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پٹی باندھے رہتے تھے، اقسام غذا میں سال بھر کے کھانے سے زیادہ ایک دانہ کی بھی فکر نہیں کی جاتی تھی، اور آذوقہ سالانہ کے فراہم ہو جانے کے بعد جتنا بچ جاتا تھا وہ سب کا سب خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، خربزہ شوق سے کھاتے تھے بدبودار چیزوں سے ہمیشہ نفرت تھی، ککڑی، جو، خرمے یا نمک کے ساتھ تناول فرماتے تھے، انگور بھی بہت پسند تھا، خرما اور دودھ سے بھی شوق فرماتے۔ ثرید کو بہت دوست رکھتے تھے، شوربے میں کدو کا شوربا مرغوب خاطر تھا۔ پنیر اور روغن سے بھی رغبت تھی۔ خود شکار نہیں فرماتے تھے، مگر شکار کا گوشت تناول فرماتے تھے۔ آب سرد سے شوق تھا۔ دودھ سے رغبت تھی۔ دودھ کبھی خالص اور کبھی پانی ملا کر نوش فرماتے تھے۔ کشمش، کھجور اور انگور پانی میں بھگو دیا جاتا، کچھ دیر بعد وہ پانی نوش فرماتے۔ روٹی کے ساتھ

---

[1] اسوۃ الرسول جلد سوم ص۲ علامہ ارادہ حسین بلگرامی

کھانے والی چیزوں میں سرکہ اور سبزی میں کاسنی اور بادروج زیادہ پسند تھا۔ گھر میں ایک
لکڑی کا پیالہ یا کاسہ، ٹوٹا ہوا اور تاروں سے بندھا ہوا تھا۔ اس میں خوراک تناول فرماتے
تھے۔[1]

لباس

حضورؐ موٹے جھوٹے روئی کے بنے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ برد
یمانی بھی پہنتے تھے اور بالوں کا جبہ بھی، اپنے کپڑے میں خود پیوند
کر لیتے، جوتے میں بھی آپ ہی پیوند لگا لیتے۔ لباس کے متعلق نہ کوئی التزام تھا اور نہ
پوشش و جمالی آرائش کا انتظام تھا۔ سرکار رسالتؐ کا لباس صرف تین پارچوں پر
تمام تھا۔ چادر، قمیص، تہمد۔ کہتے ہیں کہ پاجامہ کبھی نہیں پہنا۔ امام احمد بن حنبل
سے روایت ہے کہ حضورؐ نے بازار منیٰ میں ایک پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن قیم نے
اسی پر قیاس کیا ہے کہ جب خریدا ہوگا تو پہنا بھی ہوگا۔ موزوں (جراب) کی عادت
نہیں تھی۔ مگر بادشاہ حبشہ نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے وہ آپ نے پہنے تھے۔
عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا۔ کبھی
تحت الحنک کی طرح (گردن سے) لپیٹ لیا کرتے تھے۔ عمامہ کے نیچے کی ٹوپی
سر سے لپٹی ہوتی تھی۔ اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں کی۔ لباس میں سب سے زیادہ یمن
کی دھاریدار (مخطط) چادریں پسند تھیں، جن کو حبرہ کہتے تھے۔[2] جامۂ حریر پہننے کی
سخت ممانعت فرماتے تھے، پشمینہ کے موٹے جھوٹے کپڑے پہننے کی تاکید
فرمائی ہے۔

---

[1] حیوۃ القلوب مجلسی ص۱۲ و ص۱۲۱، مناقب ابن شہر آشوب
[2] سیرۃ النبی جلد ۲

آداب و اطوار

حضور عقل و حکمت کی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے علم و حکمت میں یگانہ تھے۔ آپ کا علم لدنی تھا، چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے "ہم نے وہ سب کچھ تجھے پڑھا دیا جو کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا۔" آپ نہایت حلیم، عادل، شجاع، مہربان اور غیور تھے، سخی ایسے تھے کہ کبھی آپ کے پاس درہم و دینار جمع نہیں ہوا، ہمیشہ زمین پر بیٹھتے، زمین پر کھانا کھاتے اور زمین پر ہی سوتے تھے، اپنے کپڑوں اور نعلین میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے۔ گھر کے دروازے بنفس نفیس کھولتے اور بند فرماتے تھے۔ دنبیوں اور بکریوں کو اپنے ہاتھ سے دوہتے تھے اور اونٹوں کے پاؤں اپنے ہاتھ سے باندھتے تھے۔[1]

رات کو سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر آرام فرماتے تھے۔ مجلس میں تکیہ لگا کر کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ بے تکلف بیٹھ جاتے تھے۔ ان کے ساتھ کھانا بھی تناول فرما لیتے تھے، مریضوں کی اکثر عیادت فرماتے اور جنازے کی مشایعت فرماتے، گفتگو میں صدائے مبارک کبھی درشت و تند نہیں ہوتی تھی، جو کوئی حاضر خدمت ہوتا سلام میں ابتدا فرماتے۔ حق بات کہنے میں کسی کی خوشی یا غصہ کا ذرا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔ ان کے دست و زبان مبارک سے کبھی کسی کو ضرر نہ پہنچا، ہر ایک پر رحم و شفقت فرمایا کرتے تھے۔ کسی سے کچھ طمع نہیں رکھتے تھے، سر مبارک کو ہمیشہ جھکائے رکھتے تھے۔ تیر اندازی اور اسپ دوانی سے شغف تھا۔ مگر لہو و لعب کے لئے نہیں بلکہ ورزش و ریاضت

---

[1] مناقب شہر آشوب و حیوٰۃ القلوب

اور جہاد کے لئے۔

تقسیم اوقات صبح کی نماز کے بعد سجادہ پر دو زانو بیٹھتے، وہیں دربار رسالت لگ جاتا، معرفت و حقیقت کے چشمے ابلتے پند و نصائح سے لوگوں کو مستفید فرماتے، علم و حکمت سے بہرہ اندوز فرماتے اور تصفیہ نزاعات و مقدمات فرماتے۔ وظائف و غنائم کا بھی اکثر یہی وقت ہوتا تھا۔ خوب دن چڑھے بیت الشرف میں تشریف لے جاتے اور وہاں امور خانگی میں مصروف ہو جاتے۔ ان مشاغل میں ظہر کا وقت آ جاتا۔ نماز ظہر و عصر کے بعد پند و نصائح فرما کر گھر میں تشریف لاتے اور تمام امہات المومنین کے پاس تھوڑا تھوڑا بیٹھتے، مغرب کے وقت پھر مسجد میں تشریف لاتے۔ عشاء کے بعد تک محفل رشد و ہدایت گرم رہتی، اور قرآن حکیم اور ادعیہ ماثورہ کی تلاوت فرماتے ہوئے خواب استراحت میں چلے جاتے، آدھی رات کے بعد بیدار ہو جاتے، مسواک سرہانے رکھی رہتی تھی، بیدار ہوتے ہی مسواک فرماتے، مسواک کے بعد وضو فرماتے پھر نماز کے لئے مصلیٰ عبادت پر کھڑے ہو جاتے۔ آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی، سونے اور آرام کرنے کا معمول یہ تھا، کہ داہنی کروٹ دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے، فرش خواب کا کوئی خاص التزام نہ تھا، معمولی سے معمولی بستر پر آرام کر لیا جاتا، کبھی فرش و کھال پر اور کبھی یوں ہی زمین پر لیٹ رہتے تھے [۱]

حضور نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ عبادت

---

[۱] اسوۃ الرسول ج ۳ ص ۱۹

و ذکرِ الٰہی دوسرا حصہ معاشرت و خانہ داری تیسرا حصہ امورِ عامہ[1]، پند و موعظت، تمدن و نظامِ سلطنت کے لئے وقف تھا۔

عبادت الٰہی

عبادت کے شغف پر قرآن مجید گواہ ہے۔ کبھی حکم ہوتا: "اے کمبل اوڑھنے والے رات کو تھوڑا حصہ اٹھا کرو"

کبھی ارشاد ہوتا: "اے پاک ! ہم نے اس لئے قرآن نازل نہیں فرمایا، کہ تم اس قدر تکلیف برداشت کرو۔" علیم الٰہی نے اسی لئے صحف نبیانِ سلف میں انہیں "احمد" کے نام سے یاد کیا کہ خدا کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے تھے۔ جس کثرت سے آپ نمازیں پڑھتے تھے اسی کثرت سے روزے بھی رکھتے تھے، اسلامی جہادوں میں جب تلواروں کی بجلیاں کوندتی تھیں تیروں کے مینہ برستے تھے خدا کا عاشق کامل نہایت خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھتا اور مسلمانوں کو خدا وحدہٗ لاشریک کو یاد دلاتا تھا۔ احد میں برابر فرما رہے تھے اللّٰہ مولانا ولا مولا لکم ۔ اللّٰہ اعلیٰ واجل۔ خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا تو کوئی آقا نہیں مگر اللہ جو بڑا اور بلند ہے۔ جنگ خندق میں فرما رہے تھے۔ اللّٰھم لاخیر الا خیر الآخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجر ۔ خدایا بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے۔ مہاجرین و انصار کو برکت عطا فرما۔

جب علی مرتضیٰ جنگِ خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکلے، تو اس طرح دعا فرما رہے تھے۔ ربّ لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین پالنے والے تو مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔

---

[1] روضۃ الاحباب

خوفِ خدا جب آپ نماز کے لئے استادہ ہوتے تھے، چہرہ مبارک کا رنگ زرد ہوجاتا تھا[1] عبادتِ الٰہی میں گریہ وزاری آپ کی خاص عادت تھی۔ عبداللہ ابن شخیر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں جناب رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپ نماز میں مشغول ہیں۔ آنکھوں سے برابر آنسو جاری ہیں روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے جب بھی خشیۃ اللہ کی حالت طاری ہوئی افراطِ اشکباری کی یہی حالت ہوگئی[2]

محبتِ الٰہی حبیب کے دل میں محبوب کی محبت کا اندازہ کرنا دشوار ہے اللہ سے اس قدر محبت تھی کہ اللہ نے انہیں محبت کا نمونہ قرار دیا اور محبتِ الٰہی میں ان کی پیروی کا حکم دیا۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ۔ اے رسول ان سے کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

توکل علی اللہ مکہ کے زمانۂ قیام میں ایک دفعہ کفار نے یہ مشورہ کیا کہ جب حضور حرم محترم میں قدم رکھیں، انہیں قتل کردو۔ سیدہ عالم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ان کے اس ارادہ کو سن لیا۔ بے چین ہوگئیں روتی ہوئی حاضرِ خدمت ہوئیں، صورتِ حال کو بیان کیا۔ آپ نے تسکین دی۔ اسی وقت وضو فرما کر بیت اللہ میں تشریف لے گئے۔ کفار نے دیکھا اور خدا کی قدرت اور رسول اللہ کی سطوت سے آنکھیں جھکالیں۔ یہ ہے توکل علی اللہ

---

[1] عین الحیٰوۃ

[2] اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۱۹۶

کا روحانی اثر۔

ایک دوسرے موقعہ پر مہاجر و انصار آپ کے خیمۂ اقدس پر پہرہ دے رہے تھے تو آپ نے خیمہ اقدس سے نکل کر ارشاد فرمایا، لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے۔ مکہ میں جب کفار قریش مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا رہے تھے، جان سے مایوس ایک صحابی خدمت میں حاضر ہوا اور کفار کے تشدد کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں، خدا کی قسم بہت جلد وہ وقت آتا ہے۔ جب یہ دین مرتبہ کمال کو پہنچ جائے گا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر باقی نہیں رہے گا۔

ایک دفعہ کسی غزوہ میں آپ درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ ایک کافر پہنچا، اس نے تلوار کھینچ کر کہا۔ اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے، فرمایا خدا، وہ ایسا مرعوب ہوا کہ تلوار میان میں کر کے پاس آ بیٹھا۔

صبر و شکر

بچپن میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس کے بعد شفیق دادا کی شفقت سے محروم ہوئے۔ چچا ابوطالب کفیل ہوئے اعلانِ نبوت کے بعد وہی قریش کے مظالم و مخاصمت کی سپر تھے۔ انہوں نے انتقال فرمایا، مونس و غمگسار بی بی خدیجہ نے داغِ مفارقت دیا۔ صغر سنی میں کئی بچوں نے قضا کی، آپ نے انتہائی صبر و رضا کا مظاہرہ فرمایا۔ آنحضرت کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے، آپ خیبر اور مکہ کے فاتح اعظم کی حیثیت سے اپنے مفتوحہ شہر دل میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس شان سے کہ سر نیاز نگاہ و رب العزت میں جھکا ہے اور لب مبارک پر خدا کی حمد و ثنا ہے۔

حسنِ معاملہ نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ کے کاروباری تعلقات تھے۔ انہوں نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کا اقرار کیا۔ اسی لیے قریش نے متفقہ طور پر آپ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوت کے بعد بھی گو قریش کو آپ سے سخت عناد تھا، تاہم وہ اپنی امانتیں حضورؐ کے پاس ہی رکھتے تھے۔

عرب کا ایک مشہور سوداگر سائب تھا، وہ مسلمان ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے اس کی صفت و ثنا کی اور آنحضرتؐ سے تعارف کرایا۔ حضورؐ نے فرمایا میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں آپ تجارت میں میرے شریک تھے، ساجھی تھے، لیکن ہمیشہ آپ نہایت صفائی سے معاملہ فرماتے تھے۔

عدل وانصاف ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخزوم سے تھی چوری کی۔ قریش کی عزت کے پیشِ نظر لوگ چاہتے تھے کہ اسے سزا نہ ہو اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہ بن زید سے حضورؐ کو بہت محبت تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجیے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معافی کی درخواست کی۔ آپؐ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب ہم سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوئے تو حضور خطبہ دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک مردِ انصاری

نے کہا یہ لوگ بنی ثعلبہ کے قبیلہ سے ہیں، ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اس کے بدلے میں ایک آدمی قتل کرا دیجیے۔ آپ نے فرمایا باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔

جود و سخا

عطا و جود کی یہ حالت تھی کہ جو شخص حاضرِ خدمت ہوتا اور کبھی سوال کرتا۔ آپ کچھ نہ کچھ اس کو ضرور عطا فرما دیتے، ورنہ وعدہ فرماتے آپ کے اس انداز کو دیکھ کر لوگوں کو اس قدر دلیری ہو گئی تھی کہ ایک دفعہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا میری ایک ذرا سی معمولی حاجت باقی رہ گئی ہے، خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں اس کو ادا کر دیجیے۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا اگر احد کا پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار رہ جائے لیکن وہ دینار جسے میں ادائے قرض کے لئے رکھ چھوڑوں۔

ایفائے عہد

ابو الحمیسا بیان کرتے ہیں کہ قبل بعثت میں نے سرکار رسالت سے کوئی معاملہ کیا تھا اور آپ سے ایک مقام پر آنے کا وعدہ فرمایا تھا، میں بھول گیا، اور وعدہ کے مقام پر نہ اس دن گیا اور نہ اس کے دوسرے دن، تیسرے دن مجھے یاد آیا۔ میں گیا تو آنحضرت تین دن سے وہیں موجود تھے۔ صادق آل محمد سے منقول ہے

کہ ایک دفعہ سرکارِ رسالت نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے یہیں کھڑا انتظار کرتا ہوں۔ آپ کھڑے تھے، اتنے میں دھوپ تیز ہوگئی صحابہ نے عرض کیا آپ سایہ میں تشریف لے آئیں تو بہتر ہے۔ ارشاد فرمایا، میں نے اسی جگہ کا وعدہ کیا ہے۔ اگر وہ نہ آیا تو میں یہیں کھڑا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں مر جاؤں اور یہیں سے محشور ہوں۔

ایثار آپ کی سیرت میں جو صفت سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے اور جس کا اثر ہر موقع پر ظاہر ہوتا رہا وہ صفت ایثار ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ بنی غفار کا ایک شخص آکر مہمان ہوا، رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا وہ آپ نے اس کی نذر کر دیا۔ اہل و عیال نے تمام رات فاقہ سے بسر کی حالانکہ اس سے پہلی شب بھی گھر میں فاقہ ہی تھا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی۔ آپ کو ضرورت تھی تو لے لی، ایک صاحب حاضرِ خدمت تھے، انہوں نے کہا کہ کیا اچھی چادر ہے آپ نے ان کو اتار کر دے دی، جب حضورؐ تشریف لے گئے، تو لوگوں نے اس شخص کی ملامت کی، کہ تم جانتے ہو کہ حضور کو چادر کی ضرورت ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ سرکارِ رسالتؐ کسی کا سوال رد نہیں کرتے، انہوں نے کہا، کہ میں نے تو برکت کے لئے ایسا کیا ہے کہ مجھ کو اس چادر کا کفن دیا جائے۔

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ ہوتا وہ انہیں پیش کر دیا جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے، آپ راتوں کو اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری فرماتے تھے۔

گداگری اور سوال سے نفرت

لوگوں کا شدید ضرورت کے بغیر مانگنا حضورؐ کو سخت ناگوار تھا۔ اسی لئے
ارشاد فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد کر لائے۔ اور بیچ کر
برو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔

حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے دو شخص سوالی
کر سامنے آئے، آپ نے نظر اٹھا کر جب ان کی طرف دیکھا تو وہ تندرست
سونڈے تھے اور ان کے اعضا ہاتھ پاؤں وغیرہ درست تھے، آپ نے
، اگر تم چاہو تو اس میں سے دے سکتا ہوں، لیکن ایسے لوگوں کا جو تندرست
کام کرنے کے لائق ہوں یا غنی ہوں، اس میں کوئی حصہ نہیں۔

قبیصہ ایک صحابی تھے۔ قرض سے تنگ آ کر خدمت سرکار رسالتؐ میں
ر ہوئے، اپنی حالت عرض کی۔ حضورؐ نے مدد فرمانے کا وعدہ کیا۔ پھر ارشاد
اے قبیصہ سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں
لئے جائز ہے، ایک وہ جو قرض سے بہت زیر بار ہو وہ مانگ سکتا
لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اسے سوال کرنے سے
جانا چاہئے، دوسرے وہ شخص جس پر کوئی ناگہانی مصیبت آ گئی ہو
سنے اس کے تمام سرمایہ کو برباد کر دیا ہو، اس کے لئے بھی درستی حالات
مانگنا جائز ہے۔ تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو۔ اس
علاوہ جو شخص کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے، وہ حرام کھاتا

صدقہ تحف وہدایا

صدقہ آنحضرت اور حضور کی آل پر مطلقاً حرام ہے، یہی فرق آل و اصحاب میں ہے۔

آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے ہدیہ ہے یا صدقہ، اگر ہدیہ کہتا تو قبول فرماتے، اگر یہ کہتا کہ صدقہ ہے تو ہاتھ روک لیتے۔ اور اصحاب کو عنایت فرما دیتے۔ ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو آپ نے فرمایا، بیٹا اسے تھوک دو، صدقہ آل محمد پر حرام ہے۔

ہدیہ کے متعلق فرماتے تھے تَهَادُوا وَ تَحَابُّوا، باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تاکہ باہم محبت پیدا ہو، ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے ہدیہ بھیجتے بھی تھے اور قبول بھی فرماتے تھے۔ بی بی عائشہ سے روایت ہے کان یقبلُ الھدیۃ ویثیب علیھا۔ یعنی آنحضرت ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ بھی دیتے تھے۔

قرب وجوار کے امراؤ رؤسا، ملوک وسلاطین آپ کی خدمت میں تحائف بھیجتے تھے، شام سے ایک رئیس نے ایک خچر بھیجا، عزیز مصر نے بھی ایک خچر بھیجا، قیصر روم نے ایک پوستین بھیجی، حضور نے اسے جعفر طیار کے ذریعہ بادشاہ حبش نجاشی کو بھیج دیا۔

رہبانیت سے پرہیز

بعض اشخاص میلان طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرت نے ان کو باز رکھا۔ کسی غزوہ میں ایک صحابی کا کسی غار پر سے گذر ہوا جہاں

ن تھا اور اس پاس کچھ پودے تھے۔ خدمت سرکار رسالت میں حاضر ہو کر عرض یارسول اللہ مجھے ایک غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں یر دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترک دنیا کروں، فرمایا، میں یہودیت اور نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لے کر ہوں۔

حضرت ابوذر غفاری سے ارشاد فرمایا۔ اے اباذر دو رکعت نماز میانہ س کو تم نے نہ بہت طول دیا ہو اور نہ بہت مختصر کیا ہو، وہ بہتر ہے اس رات مر کی عبادت سے جو فراموشی دل کے ساتھ پڑھی گئی ہو۔

زیادہ مدح کی ناپسندیدگی

زیادہ مدح و تعریف کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ کی مجلس مقدس میں ایک شخص کا ذکر ہوا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس بہت مدح و تعریف کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی ہے۔ ان الفاظ کو حضورؐ نے کئی بار دہرایا، پھر ارشاد فرمایا کہ ر تمہیں کسی شخص کی خواہ مخواہ مدح کرنا ہو تو یوں کہو میرا ایسا خیال ہے۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ محجن ثقفی سے پوچھا یہ کون ہیں۔ محجن نے ان کا نام بتلایا اور نہایت تعریف کی، ارشاد فرمایا خبردار کہیں یہ نہ سن لے ورنہ تباہ ہو جائے گا یعنی اس کے دل میں غرور پیدا ہو باعث ہلاکت ہے۔

مساوات

عدل رسالت کا مقتضا تھا کہ حضورؐ کے نزدیک غلام و آقا،

کبیر وصغیر، مفلس ومالدار، امیر وغریب سب مساوی ہوں۔ اس لئے دربارِ رسالت میں بلال وصہیب شرفائے مہاجرین وانصار کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے، اور بے تکلف روبرو گفتگو کرتے تھے۔ صحابہ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ سرکارِ رسالتؐ ان کے شریک ہوتے تھے اور معمولی مزدور کی طرح کام کرتے تھے، مدینہ آکر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی خود بنفسِ نفیس اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، غزوۂ احزاب میں جب سب صحابہ خندق کھود رہے تھے تو سرکارِ رسالت بھی ایک عام مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر خاک اور مٹی کی تہ جم گئی تھی۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ سرکارِ رسالتؐ نے جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ کام ہم غلام کریں گے۔ فرمایا ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو کام کرنے میں اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنے۔

خیر خواہِ خلق کا احترام

سرکارِ رسالتؐ کی مجلس میں جو اشخاص شامل ہوتے تھے ان میں سے ایسے لوگوں کو آپ سب سے زیادہ جلیل القدر سمجھتے تھے جو عام طور سے مسلمانوں کے خیر خواہ ہوتے تھے۔ اور اکثر فرماتے تھے وہ شخص مسلمان نہیں جو صبح کو اٹھے اور مسلمانوں کے امور میں اہتمام نہ کرے۔ وہ بھی مسلمان نہیں جو مسلمانوں کی فریاد رسی نہ کرے، لوگوں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ محبوبِ خدا کون ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہی شخص سب سے زیادہ خدا کو محبوب ہے جو مسلمانوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔ (عین الحیوٰۃ)

دوسروں کا کام کرنا

خباب بن ارث ایک صحابی تھے۔ سرکار رسالتؐ نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا۔ خباب کے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔

حبش سے جو مہمان آئے تھے، صحابہ نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت کریں، لیکن آپؐ نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ انہوں نے پردیسی مہاجروں کی خدمت کی ہے۔ اس لئے میں خود ان کی خدمت کا فرض انجام دوں گا۔ کفارِ ثقیف جنہوں نے طائف میں حضورؐ کے پائے مبارک کو زخمی کیا تھا سنہ ۹ھ میں وفد لے کر آئے، آپ نے ان کو مسجد میں اتارا اور بہ نفسِ نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کئے۔ عبداللہ ابن ادنیٰ ایک صحابی ہیں وہ کہتے ہیں کہ سرکار رسالتؐ کو بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں عار نہ تھا۔

عزم واستقلال

حضورؐ عزم واستقلال کی انتہا پر فائز تھے۔ ابتدائی زندگی سے انتہا تک آپ کی تمام تبلیغی جدوجہد آپ کے عزم واستقلال کا ایک تفصیلی دفتر ہے۔ تمام عرب کا عرب مخالفت پر اُمڈ آیا۔ لیکن وقارِ نبوت اور عزم رسالت نے ان کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی اور انہیں ٹھوکریں کھا کھا کر آخر اس تاجدار عزم واستقلال کی بارگاہ میں سرِ عقیدت خم کرنا پڑا۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں لگاتار ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر یاس دہراس کو اپنے قریب

نہ آنے دیا۔ اکثر مصائب میں فرماتے تھے۔ خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال پر پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء سے حضر موت تک سوار اس طرح بے خطر چلا جائیگا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔

غزوۂ احد میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی رائے دی۔ لیکن جب آپ خود زرہ پہن کر آمادہ پیکار ہوئے تو صحابہ نے رُک جانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ پیغمبر زرہ پہن کر نہیں اتار سکتا۔ یہ اس کی شانِ استقلال کے خلاف ہے۔ غزوۂ حنین میں جب بنی ہوازن کے تیر اندازوں نے لگاتار تیروں کی بوچھاڑ کی تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے۔ لیکن آپ نہایت سکون واطمینان سے چند جانبازوں کے ساتھ میدان میں جمے رہے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ "میں پیغمبر صادق ہوں میں فرزند عبدالمطلبؓ ہوں"

شجاعت

غزوۂ حنین میں حضرت براءؓ شریک تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تم حنین سے بھاگ گئے تھے۔ جواب دیا ہاں یہ سچ ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ سرکار رسالتؐ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔ خدا کی قسم جب لڑائی بڑے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ کے پہلو میں آکر پناہ لیتے تھے۔

حضرت انس بن ثابت کہتے ہیں کہ سرکار رسالتمابؐ سب سے زیادہ شجاع تھے ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آگئے، لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے، لیکن سب سے پہلے سرکار رسالتؐ آگے بڑھ کر نکلے۔ آپؐ نے کسی کا انتظار نہیں کیا۔ جلدی میں گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر تمام خطرناک مقامات میں گشت لگائی۔ واپس آکر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔

اُبی بن خلف سرکارِ رسالتؐ کا سخت دشمن تھا۔ بدر میں فدیہ دے کر رہا ہُوا۔
ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے، اس پر چڑھ کر میں محمدؐ کو
ل کروں گا۔ اُحد میں اس گھوڑے کو اڑاتا، صفوں کو چیرتا ہُوا آپ کے پاس
گیا۔ مسلمانوں نے چاہا اسے بیچ میں روک لیں، لیکن حضورؐ نے منع فرمایا
ور کہا آنے دو۔ ایک مسلمان سے نیزہ لے کر آپ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ
اس کی گردن میں انی چبھوئی، وہ ہائے ہائے کرتا ہُوا بھاگا۔ لوگوں نے کہا
کوئی بڑا زخم نہیں۔ تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے
ن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے۔

است گفتاری صداقت کی یہ انتہا تھی کہ دشمنوں سے بھی صادق و امین کہلوایا
کفار نے حضورؐ کو مجنون، مسحور، شاعر کہا مگر کاذب کبھی نہیں کہا
ہل کہا کرتا تھا۔ محمدؐ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا البتہ جو کہتے ہو میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔
روم نے اپنے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا۔ تمہارے ہاں جو مدعیٔ نبوت پیدا ہُوا
، اس دعوے سے پہلے تم نے اس کو جھوٹا بھی پایا؟ ابوسفیانؓ نے کہا نہیں ایسا ہرگز
ں۔ آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا، مجھے یقین ہے اگر وہ خدا پر جھوٹ باندھتا
دمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز آتا۔

عائے عہد ابورافع ایک غلام تھے، حالتِ کفر میں قریش کی طرف سے
سفیر بن کر آئے، حضورؐ کے روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار
لام کی صداقت ان کے دل میں اُتر گئی، عرض کی یا رسول اللہ، اب میں کبھی کافروں کے
نہیں جاؤں گا۔ فرمایا نہ میں عہد شکنی کرسکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو عہد شکنی کی اجازت

دے سکتا ہوں۔ اب تم واپس جاؤ اور اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت رہے تو آجانا۔ وہ اس وقت واپس گئے اور پھر اسلام لائے۔

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی تھی۔ ایسے موقع پر حضورؐ کی خواہش تھی کہ جس قدر تعداد زیادہ ہو بہتر ہے۔ ایسے وقت میں سراپا وفا ابو حذیفہ بن یمان اور ابو جبیل مکہ سے آ رہے تھے۔ رستے میں کفار نے انہیں روک کر کہا۔ تم محمدؐ کے پاس جا رہے ہو اس شرط پر تمہیں رہا کیا جا سکتا ہے کہ جنگ میں ان کا ساتھ نہ دو، انہوں نے عہد کیا۔ رہا ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ صورت حال بیان کی۔ فرمایا تم دونوں واپس جاؤ۔ ہم ہر حال میں وعدہ کی وفا کے حامی ہیں۔ ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

زہد و قناعت

مصنفین یورپ کا خیال ہے کہ سرکارِ رسالتؐ جب تک مکہ میں تھے، پیمبرانہ شان سے زندگی بسر کرتے تھے، مدینہ میں پہنچکر شاہانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ تاجدار عرب بننے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صادق آل محمدؐ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے سوال کیا کہ کہا جاتا ہے کہ سرکارِ رسالتؐ نے کبھی پیٹ بھر کر روٹی نہ کھائی۔ آپ نے فرمایا یہی نہیں بلکہ آپ نے گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ جو کی روٹیاں بھی کبھی پیٹ بھر کر کھائیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ کبھی آپ کا کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ یعنی صرف ایک جوڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا۔

وقت وفات آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جَو پر گرو تھی جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان پر تلے اوپر پیوند لگے ہوئے تھے۔ حالانکہ

ب حدود شام سے عدن تک فتح ہو چکا تھا۔

عفو و حلم آنحضرتؐ نے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں احکام الٰہیہ کی توہین پر آپ سزا دیتے تھے۔

زید بن شعبہ جس زمانہ میں یہودی تھا حضرت اس سے قرض لیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ میعادِ ادا سے پہلے تقاضہ کے لئے خدمتِ اقدس میں آیا۔ حضور کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہا۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا او دشمن رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ عمرؓ مجھ کو تجھ سے کچھ اور امید تھی، مجھے اُسے نرمی سے سمجھانا چاہئے تھا، کہ نرمی سے تقاضا کرے، اور مجھ سے کہنا چاہئے تھا کہ میں اس کا قرضہ ادا کر دوں۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا کہ یہ لو قرضہ ادا کر کے اسے بیس سیر کھجور اور زیادہ دے دو۔

دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسنِ سلوک تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ آپ نے کبھی دشمنوں سے انتقام نہیں لیا۔ انتقام کا سب سے بڑا موقعہ فتح مکہ کا دن تھا۔ جب ایسے دشمن سامنے آئے جو خون کے پیاسے تھے اور جن کے ہاتھ سے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچی تھیں۔ لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

"تمہیں آج کے دن کوئی پرسش نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔"

چچا کا قسی القلب قاتل وحشیؓ رحمۃ اللعالمینؐ کے سامنے آ کر اسلام قبول کرتا ہے آنحضرتؐ نے صرف اس قدر فرمایا۔ کہ میرے سامنے نہ آنا، تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا حمزہؓ کی مظلومیت یاد آتی ہے۔

کفار و مشرکین سے سلوک

ہم یہاں سرکار رسالت کی مکی زندگی کو پیش نہیں کریں گے جبکہ کفار مسلمانوں پر مظالم بپا کر رہے تھے، بلکہ یہ اس زمانہ کے واقعات ہیں جبکہ آپ کو کفار پر غلبہ حاصل ہو چکا آپ کو عرب پر پورا اختیار حاصل تھا۔ ابو بصرہ غفاری کا بیان ہے، کہ جب کافر تھے، مدینہ میں آنحضرتؐ کے پاس آ کر مہمان ہوئے اور رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا۔

حضرت اسماء کہتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھی اعانت خواہ مدینہ میں آئی آنحضرتؐ سے دریافت کیا۔ فرمایا ان کے ساتھ نیکی کرو۔

منافقین سے سلوک

کفار کا ایک گروہ جس کا رئیس عبداللہ ابن ابی تھا۔ لوگ در پردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے، آپ ان کے حالات سے واقف تھے۔ چونکہ شریعت کے احکام دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں، اس لیئے حضور ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے۔ آپ نیاضانہ انداز میں ان سے ہمیشہ حسن اخلاق سے برتا کرتے تھے اور ہمیشہ عفو و حلم سے کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے کہا کہ کیا میں منافق عبداللہ بن ابی کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا، لوگ چرچا کریں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

جنگ احد کے موقعہ پر عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا گیا جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، مگر حضور نے درگزر فرمایا جب وہ مرا تو اس کے اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباس کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا

مسلمانوں کی ناراضگی کے باوجود آپ نے اپنے کرتہ کا اسے کفن دیکر دفن کیا۔

یہود و نصاریٰ سے برتاؤ

حضورؐ یہودیوں کے ساتھ لین دین کرتے، یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر جھگڑا ہو جاتا تو آپ مسلمانوں کی بلا وجہ جنبہ داری نہیں فرماتے تھے۔

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی اس نے کہا "آپ جو فرماتے ہیں اسے بجا لاؤ"۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔

غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت

سرکارِ رسالتؐ مفلسوں اور ناداروں سے اس طرح پیش آتے تھے کہ افلاس و ناداری کے صدمے ان کے دلوں سے دور ہو جاتے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اس اثنا میں سرکارِ رسالتؐ تشریف لائے۔ اور انہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا فقرا مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان کے چہرے مسرت سے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی ان ہی میں ہوتا۔

مسلمانوں میں جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت حکم عام تھا کہ ہر قبیلہ کے باہر زکوٰۃ امرائے شہر سے لے کر وہیں کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے۔ صحابہ اس کی

شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سلمان و بلال کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں تھا کسی بات پر ڈانٹا تھا۔ سرکار رسالتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا۔ یہ سن کر ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس واپس آئے، اور ان سے معافی مانگی۔

دشمنانِ جان سے عفو و درگذر

فتح مکہ کے دنوں میں اسی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرتؐ کو قتل کرنا چاہا۔ یہ لوگ گرفتار ہو گئے۔ حضرتؐ نے ان کو چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ صحابہ اس کو گرفتار کر کے حضورؐ کے سامنے لائے۔ وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے تھے۔

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

ایک دفعہ خباب بن ارت صحابی نے عرض کیا کہ دشمنوں کے حق میں بددعا فرمایئے۔ یہ سنکر چہرہ کا رنگ سرخ ہو گیا۔ ایک دفعہ چند صحابیوں نے مل کر یہی بات کہی۔ فرمایا: میں دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جنگ احد میں دشمنوں نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندان مبارک کو شہید کیا، جبین اقدس کو خون آلودہ کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے دعا دی۔ "پالنے والے میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ لوگ نادان ہیں۔"

بچوں پر شفقت

حضور بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے معمول تھا کہ جب آپ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنی سواری پر آگے پیچھے بٹھلاتے راستہ میں مل جاتے تو خود ان کو سلام کرتے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے، آپ کو اس سے بہت صدمہ ہوا، ایک صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ وہ تو مشرکین کے بچے تھے آپ نے فرمایا مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

ہجرت کے موقعہ پر جب حضور مدینہ میں داخل ہو رہے تھے تو انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دروازوں سے نکل نکل کر اشعار پڑھ رہی تھیں۔ جب آپ کا ادھر سے گزر ہوا فرمایا، اے لڑکیو! تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟ سب نے کہا، ہاں اے اللہ کے رسول! فرمایا میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔

جابر بن سمرہ صحابی تھے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر حضور گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا، ادھر سے چند لڑکے نکل آئے، آپ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

غلاموں پر شفقت

سرکار رسالتؐ غلاموں پر خاص طور پر شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے یہ تمہارے بھائی ہیں، جو خود کھاتے ہو انہیں کھلاؤ، اور جو خود پہنتے ہو انہیں پہناؤ۔

حضورؐ کی ملکیت میں جو غلام آتے، آپ انہیں آزاد فرما دیتے، مگر وہ حضورؐ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ زید بن حارثہ غلام تھے، حضورؐ نے آزاد فرما دیا لیکن انہوں نے باپ کے پاس جانے سے حضورؐ کے قدموں میں رہنے کو ترجیح دی۔ ان کے بیٹے اسامہ سے حضورؐ بہت محبت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے، کوئی میرا غلام میری لونڈی نہ کہے، میرا بچہ میری بچی کہے۔

مستورات سے برتاؤ

دنیا میں صنف ضعیف کو وہ درجہ نہیں دیا گیا۔ جس کی وہ مستحق تھی اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے انہیں ذلت کے گڑھے سے نکال کر اس بلندی پر پہنچایا، جس کی یہ شایان تھیں، اسلام نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت سے سرفراز فرمایا۔ انسانی سوسائٹی میں عورت کی تین حیثیتیں ہیں۔ اس کا بیٹی ہونا اس کا بیوی ہونا اور اس کا ماں ہونا، بیٹی کے متعلق فرمایا۔ "بیٹیا اللہ کی نعمت ہے اور بیٹی اللہ کی رحمت ہے۔" بیوی ہونے کے متعلق قرآن زبان سے فرمایا، تم تمہارا لباس ہیں، یعنی جس طرح لباس جسم انسانی کی حفاظت کرتا ہے، اس طرح بیوی ایمان و اخلاق کی محافظ ہے، ماں ہونے کے متعلق فرمایا "جنت ماں کے قدموں میں ہے" اسلام سے پہلے دنیا کے کسی تمدن نے عورت کو ورثہ سے سرفراز نہیں کیا۔ اسے باپ کا ورثہ دیا۔ شوہر کا ورثہ دیا۔ اور بیٹے کا ورثہ دیا ان ورثوں کے علاوہ اس کی کمزوری کے پیش نظر اسے ایک پراویڈنٹ فنڈ بھی دیا جسے "مہر" کہتے ہیں۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ازواج مطہرات کو رسالت کے تند مزاج اور باعث تکلیف تھیں، مگر آپ ان سے

بھی لطف و کرم، عفو و حلم سے پیش آتے تھے، فرماتے تھے اپنی بیویوں کو اذیت نہ دو۔

حیوانات پر رحم

پیغمبر رحمتؐ حیوانات پر بھی بہت رحم فرماتے تھے۔ عرب میں حیوانات پر مختلف طریقوں سے ظلم کیا جاتا تھا، آپ نے ایسے احکام جاری کئے جس سے ان بے زبانوں پر مظالم کا خاتمہ ہو گیا۔ عرب زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے، اس کو پکا کر کھاتے تھے، آپؐ نے ممانعت فرمادی، جانوروں کی دُم اور ایال کاٹنے سے منع کیا۔ فرمایا دُم ان کا مورچھل، ایال ان کا لحاف ہے۔ جانوروں کو دیر تک سواری میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت فرمادی، جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز قرار دیا۔ عرب میں ایک خلافِ انسانیت یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو باندھ کر اسے نشانہ بناتے تھے اور اس پر تیر اندازی کرتے تھے۔ اس سنگ دلی کی بھی ممانعت کردی۔ پرندوں کے انڈے یا ان کے بچے نکال لانے کی بھی ممانعت فرمائی۔

رقتِ قلب

سرکار رسالتؐ نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ غزوۂ احد کے بعد جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم بپا تھا، عورتیں اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر حضورؐ کا دل بھر آیا۔ فرمایا: کیا حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں! ایک دفعہ ایک صحابی زمانۂ جاہلیت کا قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی سی لڑکی تھی (عربوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا کہیں کہیں دستور تھا) میں نے اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا، وہ مجھے

ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا، اس سنگدلی کو سن کر حضورؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوئے، آپ نے اسے بار بار دہروایا، روتے روتے آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی۔

عیادت، تعزیت، غمخواری وعزا

سرکارِ رسالتؐ عیادت کے لئے دوست دشمن، مسلم و کافر کی تخصیص روا نہیں رکھتے تھے۔

بخاری اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہوا، حضورؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔

حضرت جابر بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا مگر حضور پاپیادہ ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو تشریف لے گئے ان کو دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوئی، آپ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے، ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا مر گیا تو لوگوں نے حضورؐ کو خبر نہ کی۔ ایک دن حضورؐ نے اس کا حال پوچھا، لوگوں نے عرض کیا وہ انتقال کر گیا۔ ارشاد فرمایا تم نے مجھ کو خبر نہ کی، لوگوں نے اس کی تحقیر کی۔ یعنی وہ اس قابل نہیں تھا کہ آپ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی۔ آپ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔

جنازہ جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور فرماتے تھے جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے

نکل جائے۔ حضرت جعفر ابن ابی طالب سے آپ کو بہت محبت تھی۔ ان کے شہید ہونے کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم میں بیٹھے۔

لطفِ طبع حضورؐ کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے، ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے بہشت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا بڑھیا عورتیں بہشت میں نہیں جائیں گی وہ رونے لگی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا اس سے کہدو بڑھیا عورتیں بہشت میں جائیں گی مگر جوان ہو کر۔

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے پیٹ میں گرانی ہے فرمایا شہد پلاؤ۔ دوبارہ آئے عرض کیا، شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے آپ نے پھر شہد کی ہدایت فرمائی۔ سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا۔ چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا کہ خدا سچا ہے کہ شہد میں شفا ہے۔ لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ اس دفعہ جو شہد پلایا تو شفا ہو گئی۔ مادہ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا تنقیہ ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔

ایک شخص نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ مجھے کوئی سواری عنایت ہو۔ فرمایا میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہؐ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو؟

اولاد سے محبت اولاد سے نہایت محبت تھی۔ حضور کا معمول تھا کہ جب کبھی سفر میں جاتے تو سب سے پہلے معصومہ کونین فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو

شخص سب سے پہلے باریابِ خدمت ہوتا وہ سرکارِ عصمت و طہارت حضرت فاطمہؑ ہی ہوتیں۔

سیدۂ طاہرہ فاطمہؑ جب کبھی آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ ایک دفعہ آپ دعوت میں جا رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام راہ میں کھیل رہے تھے آپ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے۔ وہ ہنستے ہوئے پاس سے آ کر نکل جاتے تھے۔ بالآخر آپ نے ان کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا۔ پھر فرمایا حسینؑ میرا ہے، میں اس کا ہوں۔ ایک دفعہ حسینؑ دوشِ مبارک پر سوار تھے کسی نے کہا کیا اچھی سواری ہے آپ نے فرمایا سوار بھی اچھے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے حسنینؑ میرے پھول ہیں، پھر ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹا لیتے۔

سوالات

۱۔ ام المومنین بی بی عائشہ نے اخلاقِ رسالت کے متعلق کیا جملہ کہا اس کی توضیح کرو۔

۲۔ ثابت کیجئے کہ سرکارِ رسالتؐ کے بعد تیرہ معصوموں کا وجود آپ کی سیرت کا معجزانہ کمال ہے۔

۳۔ رسول اللہؐ کے بعد انکارِ عصمت کے کیا نتائج ہیں؟

۴۔ سرکارِ رسالتؐ کے حلیہ مبارکہ اور رفتار و گفتار کو بیان کیجئے۔
۵۔ سرکارِ رسالتؐ کی خوراک اور آپ کا لباس کیا تھا؟
۶۔ سرکارِ رسالت کے آداب و اطوار پر روشنی ڈالئے۔
۷۔ رسول اللہؐ نے اپنے اوقات کی تقسیم کس طرح فرمائی تھی؟
۸۔ سرکارِ رسالتؐ کی شانِ عبادت اور خوفِ خدا کو بیان کیجئے۔
۹۔ سرکارِ رسالتؐ کی محبتِ الٰہی، توکل علی اللہ اور صبر و شکر کو بیان کرو۔
۱۰۔ حضرتؐ کے معاملہ اور عدل و انصاف کو بیان کیجئے۔
۱۱۔ حضورؐ کی جود و سخا اور ایفائے عہد کو بیان کیجئے۔
۱۲۔ سرکارِ رسالتؐ کے ایثار کو بیان کیجئے۔
۱۳۔ رسول اللہؐ نے گداگری کی کس طرح مذمت فرمائی ہے۔
اور بتلاؤ کہ حضورؐ نے مانگنے کو کن حالات میں روا رکھا ہے؟
۱۴۔ صدقہ اور ہدیہ کے متعلق رسول اللہ کا شعار کیا تھا؟
۱۵۔ رہبانیت سے احتراز کے متعلق سرورِ دوعالمؐ کی کیا تعلیم ہے؟
۱۶۔ زیادہ مدح سرائی سے آپؐ نے کس طرح منع فرمایا ہے؟
۱۷۔ سرکارِ رسالتؐ نے اپنے عمل سے مساوات کا کس طرح سبق دیا؟
۱۸۔ سرکارِ رسالتؐ نے خیر خواہی خلق کے احترام کی تعلیم کسطرح دی ہے؟
۱۹۔ سرکارِ رسالتؐ دوسروں کا کام کس طرح انجام دیتے تھے؟
۲۰۔ سرکارِ رسالتؐ کے عزم و استقلال اور شجاعت کو بیان کیجئے۔
۲۱۔ سرکارِ رسالتؐ کی راست گفتاری کو بیان کیجئے۔

۲۲۔ سرکارِ رسالتؐ نے اپنی زندگی سے ایفائے عہد کا کس طرح سبق دیا ہے؟

۲۳۔ آنحضرتؐ کے بادشاہ ہونے کے بعد زہد و قناعت کی کیا حالت تھی؟

۲۴۔ حضرتؐ کے عام عفو و علم کا کیا عالم تھا اور دشمنوں سے کس طرح درگزر فرماتے اور دشمنوں سے ان کا سلوک کیسا تھا؟

۲۵۔ آنحضرتؐ کا اپنے زمانۂ سلطنت میں کفار و مشرکین، منافقین و یہود و نصاریٰ سے کیسا برتاؤ تھا؟

۲۶۔ سرکارِ رسالتؐ غریبوں سے کس شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے اور دشمنانِ جان سے کس طرح درگذر فرماتے تھے؟

۲۷۔ سرکارِ رسالتؐ بچوں پر کس طرح شفقت فرماتے تھے؟

۲۸۔ سرکارِ رسالتؐ کی غلاموں پر شفقت کا کیا عالم تھا؟

۲۹۔ حضورؐ نے عورتوں کے متعلق کیا فرمایا اور انھیں کس طرح سربلند کیا؟

۳۰۔ سرکارِ رسالتؐ کے ترحم کو بیان کیجیے۔

۳۱۔ سرکارِ رسالتؐ کے رقتِ قلب کو بیان کیجیے۔

۳۲۔ حضورؐ کے عیادت، تعزیت اور غمخواری فرمانے کو بیان کیجیے۔

۳۳۔ حضورؐ کی طبیعت میں ظرافت کا کیا عالم تھا؟

۳۴۔ سرکارِ رسالتؐ کی اولاد سے محبت بیان کیجیے۔

بیسواں باب

سیاسیاتِ سرکارِ رسالت ارواحنا لہ الفدا

حکومت اورِ اسلام

اسلام انسانی زندگی کا مکمل پروگرام

اسلام انسانی زندگی کا مکمل ترین پروگرام ہے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور ان پر چھایا ہوا ہے۔ اخلاق ہو، یا معاشرت، تمدن ہو یا سیاست وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی صحیح معنوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ انسانی زندگی کے لئے نمونہ کاملہ (Perfect Ideal) ذاتِ قدسی صفات سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا ہیں۔ وہ دنیا میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے مبعوث برسالت ہوئے تھے۔ نظریۂ حکومت بھی ان کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ تھا حکومت بھی حضور کے دائرۂ اختیار میں داخل تھی، اس لئے زندگی کے اس شعبہ میں امت کی رہنمائی ان کے فرائضِ منصبی میں داخل تھی، حکومت کے اثرات جو رعایا پر پڑتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ کہا جاتا

ہے "الناس علی دین ملوکھم" لوگ اپنے بادشاہوں کی روش پر ہی ہوتے ہیں۔ اچھی حکومت انسانی معاشرہ کو بلند کر کے معراج کمال پر پہنچاتی ہے، اور بری حکومت انسانی معاشرہ کو قعر مذلت میں دھکیل دیتی ہے۔

حکیم ارسطو کا نظریۂ حکومت

آج سے صدیوں پہلے یونان کے فلسفی معلم حکیم ارسطو نے اپنا نظریۂ حکومت دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور اس کے نقائص کے باوجود دنیا آج تک اسی نظریہ کے گرد چکر کاٹ رہی ہے۔ یہ نظریہ ارسطو کے دستور اساسی (Aristotles Classification of Constituition) کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اس فاضل حکیم نے حکومت کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ شخصی حکومت یا ملوکیت۔ (Govt of the One)

۲۔ اعیانی حکومت یا اشرافیت (Govt of the Few)

۳۔ جمہوری حکومت یا جمہوریت (Govt of the many)

سرکارِ رسالت کی حکومت

اسلام کے نمونۂ کامل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت ان اقسام میں سے کسی قسم سے بھی تعلق نہیں رکھتی تھی، سرکارِ رسالت کی حکومت شخصی حکومت نہیں تھی، جو انہیں وراثت میں ملی ہو یا پہلے حکمران نے انہیں نامزد کیا ہو، سرکار رسالت کو کسی خاص کمیٹی نے بھی منتخب نہیں کیا تھا، جو ہم ان کی حکومت کو اعیانی حکومت کہہ سکیں، جمہورِ عرب نے بھی ان کا انتخاب نہیں کیا تھا جو ہم سرکار رسالت کی حکومت کو جمہوری حکومت کہہ سکیں، ان کی حکومت میں مجلس وضع قانون (Legislature

بھی نہیں تھی کہ مسلمانوں نے اس مجلس وضع قانون کو انتخاب کیا ہو' اسلام میں
واضع قانون سرکارِ احدیت' اللہ ہے اور اس قانون کو رواج دینے کا فریضہ
سرکارِ رسالت کے ذمہ تھا' جو اللہ کے مقرر کردہ اللہ کے نامزد' منصوص
من اللہ رئیس مملکت تھے۔ ان کی رسالتؐ کے تحت حکومت بھی یعنی جمہوریت
کے مدّاح جمہوریت کی توضیح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

Govt. of the people by the people for the people.

لوگوں کی حکومت لوگوں کے ذریعے سے لوگوں کے لئے یعنی
جمہور کی حکومت جمہور کے ذریعہ جمہور کے لئے۔

سرکارِ رسالتؐ کا نظریہ حکومت

سرکارِ رسالتؐ' انسانیت کو اس پُرفریب دلدل سے نکال کر اس پُرامن نظامِ حکومت پر فائز دیکھنا چاہتے تھے جس کی توضیح حضورؐ کے اسوۂ حسنہ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

Govt. of God by the Representatives of God for the Creation of God

"اللہ کی حکومت' اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ' اللہ کی مخلوق کے لئے۔"

سرکارِ رسالتؐ کے نظریہ میں تغیر

سرکارِ رسالتؐ کے ارتحالِ پُرملال کے بعد مسلمانوں میں اختلاف رونما ہوا اور ایک گروہ نے حکومت کے اس نظریہ

کو جسے رسول اللہؐ کے علم و عمل نے پیش کیا تھا چھوڑ دیا اور وہ ارسطو کے پرانے نظریۂ حکومت اور اس کے اقسام ثلاثہ کے گرد گھومنے لگے۔

اے گدائے ریزۂ از خوانِ غیر — جنس خود میجوئی از دکانِ غیر
قدرِ شانِ خودت نشناختی — سرو دیگر را ببند انداختی
شل نے خود را ز خود کردی تہی — بر نوائے دیگراں دم میزنی

(علامہ اقبال)

پہلے خلیفہ کا انتخاب عربی رسم کے مطابق

تاریخ خلافتِ اسلامیہ المعروف تاریخ اسلام کے تین مصنف لکھتے ہیں:-

"محمد صلعم کی وفات کے بعد جو اہم مسئلہ مسلمانوں کو پیش آیا وہ خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ اس انتخاب کی تصریحات نہ تو قرآن میں ملتی ہیں اور نہ رسول اللہؐ نے ان کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا۔ قدیم عربی رسم کے مطابق قوم کا سردار قوم کے لوگ اکثریت رائے سے منتخب کرتے تھے۔ اس لئے وہی طریقہ حضرت ابوبکر کے انتخاب کے وقت اختیار کیا گیا۔"
(تاریخ خلافت اسلامیہ صفحہ ۶۸)

اس طریق انتخاب پر تبصرہ

۱- ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کا انتخاب نہ قرآن کے طریق پہ ہوا اور نہ سنتِ رسول پر بلکہ عرب کی قدیم رسم پہ اگر آپ خلیفہ منہاج نبوت پر نہیں ہوئے تو پھر انہیں خلیفۂ رسول کی بجائے بادشاہ عرب کیوں نہ کہا جائے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ اگر قرآن پاک حکومت جیسی اہم چیز کے متعلق اس طرح خاموش ہے تو کیا ہم مسلمان اقوام غیر مسلمہ کے سامنے قرآن پاک کے کامل ترین کتاب ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

۳۔ اگر رسول اللہؐ نے حکومت کے متعلق نظریاتی اور عملی لحاظ سے ہماری رہنمائی نہیں فرمائی تو کیا رسول اللہؐ اسلام کا نمونۂ کامل ہو سکتے ہیں؟ اور کیا اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے؟

۴۔ کیا رسول اللہؐ سیاست کے لحاظ سے دین کو اس قدر ناقص چھوڑ گئے تھے کہ مسلمانوں کو رسول اللہؐ کے ارتحال پُرملال کے بعد قدیم عربی رسوم کی جانب رجعت کرنا پڑی۔

قرآنِ حکیم نے تو حضرت طالوت کے قصہ میں صاف بتلا دیا ہے :-

۱۔ حکومتِ الٰہیہ میں بادشاہ کا تقرر نص کے ذریعہ ہوتا ہے، اسے اللہ مقرر کیا کرتا ہے، بندے نہیں چنا کرتے۔

۲۔ اس کی پہلی صفت طہارت، پاکیزگی اور عصمت ہوتی ہے وہ اصطفیٰ کے بلند مرتبہ پر فائز ہوتا ہے وہ مصطفےٰ ہوتا ہے۔

۳۔ وہ علم میں یگانۂ روزگار ہوتا ہے۔

۴۔ وہ شجاعت و جرأت میں افضل و برتر ہوتا ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق کبھی اظہار شجاعت کرتا ہے اور کبھی صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ خود رسول اللہ منصوص من اللہ بادشاہ تھے اور ان میں وہ تمام اوصاف حمیدہ اور صفاتِ عالیہ موجود تھے، کبھی حکم الٰہی سے جہاد میں مظاہرۂ شجاعت

فرماتے تھے اور کبھی مشیتِ الٰہی کے تقاضے سے صبر فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے بعد انہی صفات کے مالک کو رسول اللہؐ کے ذریعہ ولی امور خلق مقرر کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایام حجۃ الوداع میں اسی فریضہ کے متعلق رسول اللہؐ کو حکمِ الٰہی پہنچا۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ (الانشراح)

"اے رسولؐ! جب تم فارغ ہو چکو تو اپنا (جانشین) مقرر کر دو اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو" اس کے بعد پھر یہ حکم نازل ہوا۔ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ان اللہ یعصمک من الناس "اے رسولؐ! جو کچھ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو۔ اگر ایسا عملاً نہ کیا تو تم نے اپنی رسالت ہی نہیں پہنچائی۔ اللہ آدمیوں کے شر سے تمہیں محفوظ رکھے گا۔"

ان احکام کے ماتحت رسول اللہؐ نے خم غدیر کے مقام پر اپنے جانشین کا اعلان فرمادیا۔ قرآنِ مجید مسلمانوں کی دورِ جاہلیت کی طرف رجعت کو بھی استفہام سے بیان کر چکا تھا۔

ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (قرآن)

"محمد مصطفےٰؐ نہیں ہیں مگر رسول، ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں اگر یہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟"

رسول اللہ کی حکومت جمہوریہ نہیں تھی

رسول اللہ کی حکومت میں جمہوریت کا ذرہ بھر شائبہ بھی موجود نہ تھا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ اکثر امور میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اس لئے آپ کی حکومت جمہوری تھی یا آپ جمہوری نظام کو پسند فرماتے تھے قطعاً غلط ہے۔

رسول اللہ جمہور کے نمائندہ نہیں تھے بلکہ منصوص من اللہ حکمران تھے وہ جمہور کی رائے یا مرضی سے حکومت نہیں کر رہے تھے بلکہ تابع اوامر الٰہیہ تھے

رسول اللہ نہ کسی جماعت قانون ساز کے تابع تھے اور نہ عدلیہ کے پابند، قانون خدا کا تھا اور آپ قرآن کو نافذ بھی فرماتے تھے اور اسکی تشریح بھی کرتے تھے

رسول اللہ منصوص من اللہ حاکم بھی تھے، فوجوں کے کمانڈر بھی، جج بھی تھے اور رئیس خزانہ بھی، ٹیکس لگانے والے بھی اور ٹیکس وصول کرنے والے بھی حالانکہ کوئی نظام جمہوری حکومت کے یہ تمام شعبے کسی ایک شخص کو تفویض کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جمہوریت میں یہ اختیارات الگ الگ لوگوں کے ہاتھ میں رکھے جاتے ہیں۔

رسول اللہ نہ جمہوری حکمران تھے نہ عوام نے انہیں منتخب کیا تھا اور نہ وہ عوام کے سامنے جوابدہ تھے۔ وہ اللہ کے مقرر کردہ تھے اور اللہ ہی کو جوابدہ، عوام صرف ان کی اطاعت پر مامور تھے،

رسول اللہ لوگوں سے مشورہ ضرور فرماتے تھے لیکن یہ مشورہ تشکیل قانون کے متعلق نہیں ہوتا تھا، اور نہ ہی امور مملکت کے متعلق، بلکہ اس کا مقصد

نفاذِ قانون وطریقِ کار میں افراد کی دلجوئی اور ہمواری تھا۔

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کے بعد اگر رئیس مملکت انہی امتیازات کا حامل ہو تو اس کی حکومت منہاج رسالت پر ہو سکتی ہے، جمہور کی منتخب حکومت منہاج جمہور پہ ہوگی۔ رسول اللہ کی خصوصیات کی حامل حکومت ہی حکومت الٰہیہ کہلائے گی اور جمہور کی منتخب حکومت حکومتِ جمہوریہ، پہلی حکومتِ اسلامیہ اور دوسری مسلمانوں کی حکومت۔ پہلی حکومت روحانیہ اور دوسری حکومت مادیہ پہلی سنت اللہ کی کفیل ہے دوسری ارسطو کے دستوریہ کی مظہر۔

حکومتِ سرکارِ رسالت ارواحنا لہ الفدا

سرکارِ رسالت اور قیام امن

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں مسلسل جنگوں کا سلسلہ جاری تھا، قتل وغارت کا بازار گرم تھا اس قتل وغارت کی وجہ سے عرب کی تجارت ختم ہو چکی تھی، حضورؐ نے امن کو بحال کیا، اور عرب کی راہیں محفوظ ہو گئیں اور بغیر محافظ کے قافلے سفر کرنے لگے۔

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے سامراجی طاقتیں عرب کو اپنی غلامی کی گرفت میں لینا چاہتی تھیں، حدودِ شام پر رومیوں کا قبضہ، یمن، عمان، اور بحرین پر ایران قابض تھا حضورؐ نے عرب کو سامراجی طاقتوں سے آزاد کیا اور ان خارجی طاقتوں کو اپنے مذموم ارادوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، سرکارِ رسالتؐ سے پہلے شام سے نکلے ہوئے یہودی عرب میں صیہونی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے وہ فدک، خیبر، وادی القریٰ اور تیما میں اپنی فوجی چھاؤنیاں بنا چکے تھے حضورؐ

نے یہودیوں کی حکومت سے عرب کو بچا لیا اور یہودی نو آبادیات پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں لاقانونیت تھی، آنحضرتؐ نے ایسے قوانین نافذ کئے، جن سے جرائم کا انسداد ہوا۔ اور ملک میں امن بحال ہوا۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں بت پرستی عام تھی۔ حضرتؐ نے انسانیت کو ذلیل کرنے والی بت پرستی سے بنی نوع انسان کو آزادی دلائی۔ سرکارِ رسالت سے پہلے صنفِ نسواں کو ذلیل سمجھا جاتا تھا حضور نے عورت کے درجہ کو بلند کیا، انہیں میراث کا حق دیا، ان کے لئے ایک پراویڈنٹ فنڈ رکھا جسے مہر کہتے ہیں اور ان کے لئے حقوق و فرائض قائم کئے

سرکار رسالت سے پہلے دولت کی غلط تقسیم نے بنی نوع انسان کے کثیر حصہ کو کچل دیا تھا آپ نے خمس و زکوٰۃ کے فریضوں سے "کماؤ اور تقسیم کرو" کے اصول کو فروغ دیا، سرمایہ کی ناجائز افزائش کو حرمتِ سود اور ممانعتِ ذخیرہ اندوزی (Black marketing) سے روکا، اور ایسے قوانین وضع کئے جس سے مملکتِ اسلامیہ میں کوئی شخص بھوکا نہیں مر سکتا تقسیم وراثت کے اصول سے سرمایہ داری کی بڑھتی ہوئی کیفیت پر پہرے بٹھلا دیئے۔

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں غلامی کی رسم انتہائی مذموم صورت اختیار کر چکی تھی، حضور نے غلامی کے قلع قمع کی بنیاد رکھی۔ غلاموں کو مساویانہ حقوق دیئے۔ انہیں غلام کے بجائے شریکِ کار (Comrade) قرار دیا۔ اور احکام خیرات کے ایسے دروازے کھول دیئے کہ جس سے کسی تشدد کے بغیر غلامی کا خود بخود خاتمہ ہو جائے۔ مثلاً بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھنے

پر یا روزہ توڑنے پر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم وغیرہ سرکارِ رسالت نے تبلیغ اسلام کا ذریعہ فتوحات ملکی یا تشدد کو قرار نہیں دیا، تمام اطراف و جوانب میں دعاۃ اسلام روانہ فرمائے جو اسلام کی خوبیاں بتلا کر لوگوں کو دعوتِ اسلام دیں۔ البتہ مبلغوں کے ہمراہ ان کی حفاظت خود اختیاری کے لئے چند مسلح آدمی بھیج دیئے جاتے تھے تاکہ دعاۃ اسلام ہر طرح کے ضرر سے محفوظ رہیں۔

خالد بن ولید کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو ایسے چند مسلح آدمی ان کے بھی ساتھ تھے لیکن ان کے اخلاق کے پیش نظر انہیں تاکید فرمائی کہ جابرانہ روش بالکل اختیار نہ کریں، وہ چھ مہینے دعوتِ اسلام کے منصب پر مامور رہے جب اس سے کوئی اثر مترتب نہ ہوا تو پھر حضرت علیؑ کو بھیجا۔ انہوں نے قبائل کے سامنے اسلام کو ایسے نفسیاتی اور پیمبرانہ انداز میں پیش کیا کہ ملک کا ملک مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالد کو بنو خزیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن جب انہوں نے کشت و خون شروع کر دیا اور آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور قبلہ رُخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "خدایا میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں"

پھر حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا۔ یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

علامہ طبری لکھتے ہیں۔ آنحضرت نے مکہ کے اطراف میں مبلغوں کے کچھ گروہ بھیجے تھے کہ وہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں لیکن ان کو لڑائی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

حضورؐ نے مختلف ممالک میں سفیر بھی مقرر کئے اور مختلف ممالک میں غیر ملکی کے وفود بھی روانہ کئے اور مختلف ملکوں کے وفود کا خیر مقدم بھی کیا۔

انتظامِ ملکی

رسول اللہ کا زمانہ امن وامان کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ کی تصویر کشی آیۂ استخلاف میں ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایماندار دل اور نیکو کاروں سے وعدہ کیا کہ ان کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح سے عطا فرمائے گا جس طرح کہ گذشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی اور ان کے اس مذہب کو جس کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ یقیناً قوت بخشے گا۔ اور ان کی بے امنی کو امن سے بدل دیگا کہ مجھ کو پوجیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔ پس اس کے بعد جو ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہے (سورۂ نور آیت ۵۵ پ۱۸)

امن وامان کا یہ وعدہ جزوی طور پر پورا ہو گیا پھر لوگوں نے ناشکری کی۔ اور منہاج رسالت پر قائم حکومت کو بدل دیا۔ اب یہ وعدہ کلی طور پر آخری زمانے میں پورا ہو گا۔ جب کہ زمین عدل وانصاف سے اسی طرح پر ہو جائے گی جیسی کہ وہ ظلم وجور سے پر ہو چکی ہو گی۔ اس زمانہ میں دین کو تمکین حاصل ہو گی اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہو گی۔ اس زمانہ میں اگرچہ سرکارِ رسالت کا سن شریف ساٹھ برس کا ہو چکا تھا۔ لیکن حکومت کے تمام امور کو بنفس نفیس انجام دیتے تھے۔ گورنروں اور عاملوں کا تقرر، مبلغین کا تعین، جوڈیشل اور اکونٹ افسروں کا چناؤ، محصلین زکوٰۃ وجزیہ کا انتخاب، اقوام مختلفہ سے صلح کے معاہدے مسلمانوں

میں تقسیم جائیداد، ترتیب افواج، مقدمات و تنازعات کے فیصلے، خونریزیوں کا انسداد جرائم کے لیے اجرائے تعزیر، عمال ملک کے عمل کی خبر گیری اور احتساب آپ کی ذات گرامی صفات سے ہی متعلق تھے،

فوجوں کی کمانڈ چھوٹے چھوٹے غزوات میں لشکر کی سپہ سالاری اہل افراد کے سپرد کی جاتی تھی، لیکن بڑے بڑے معرکوں میں فوجی قیادت کے فرائض بنفس نفیس ادا فرماتے تھے آپ افواج کو لڑانے کے علاوہ عساکر کی عام اخلاق اور روحانی نگرانی بھی فرماتے تھے آپ غزوات میں مجاہدین کی معمولی اور جزوی بے اعتدالیوں پر گرفت فرماتے تھے۔ عام طور پر غزوات میں حضرت علیؓ کو نشان فوج عطا فرماتے تھے۔

فصل قضایا آپ کے عہد سلطنت میں قضا کا منصب قائم ہو چکا تھا۔ حضرت علی مرتضٰی علیہ التحیۃ والثنا، قاضی یمن مقرر ہوئے آپ نے اس منصب کو ایسے عادلانہ، معصومانہ اور محتاطانہ انداز سے انجام دیا کہ سرکار رسالتؐ نے اپنی زبانِ وحیؐ ترجمان سے اقضاکم علیاً کی سند عطا فرمائی یعنی علیؓ تم میں سے قابل ترین جج ہے۔

تحصیل جزیہ و زکوٰۃ محصلین جزیہ و زکوٰۃ کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بالتصریح یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ کس قسم کے مال کی گنتی میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے نہ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی، بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا مگر محصلین نے قبول نہ کیا۔

صدقہ وزکوٰۃ حرام

داعی اور رعایا کے تعلقات ٹیکس کے سوال پر خراب ہو جاتے ہیں۔ محکوم رعایا کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ ان کے خون پسینہ کی کمائی سے حکام گلچھرے اڑاتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے تمدن کی اس خرابی کی اصلاح کے لئے اپنی ذات پر صدقہ اور زکوٰۃ کی حرمت کا اعلان کر کے بتلایا کہ ہم تمہارے ٹیکس کھانے کے لئے حکومت کا بوجھ نہیں اٹھاتے۔ ہمارے ہاں اعلان حکومت زکوٰۃ لینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ دینے پر ہوتا ہے۔ اسی لئے میرے جانشین کی ولایت کا اعلان زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد کیا گیا ہے۔ پس تمہارا والی وہی ہے جو زکوٰۃ نہ لے بلکہ حالت رکوع میں بھی زکوٰۃ ادا کرے۔ صدقہ و زکوٰۃ خاندانِ رسالتؐ پر حرام تھا۔ اس لئے خاندانِ نبوت کا کوئی شخص صدقہ و زکوٰۃ کا محصل مقرر نہیں ہوتا۔

عمال کا تقرر

عمال کا تقرر خود رسول اللہ فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو خود اس خدمت کے لئے پیش کرتے تھے انکی درخواست نامنظور ہوتی تھی۔

ذرائع آمدنی

اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غنیمت، فئی، زکوٰۃ، جزیہ، خراج، اول کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔

خمس

غنیمت کا پانچواں حصہ خمس تھا۔ جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا تھا۔ اس خمس کا نصف خاندانِ رسالت کے اغراض و مقاصد پر صرف ہوتا تھا اور باقی

نصف اسلام کے مصالح و اغراض کے لئے مخصوص تھا۔ غنیمت کے علاوہ خمس اور ذرائع سے بھی حاصل ہوتا تھا۔

مال فے خدا اور رسول کے لئے خاص تھا۔

زکوٰۃ زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے، فقراء، مساکین، نومسلم، غلام جن کو خرید کر آزاد کیا جاتا تھا، مقروض، مسافر اور محصلین زکواۃ

جزیہ جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت و ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا۔ نیز فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہونے کا معاوضہ تھا، عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔

خراج غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی طور پر طے کر کے لیا جاتا تھا، خراج کہلاتا تھا۔

زرعی اراضی کی آبادکاری جو شخص افتادہ زمینوں کو آباد کرے زمینیں اس کی ملکیت ہو جاتی تھیں، شخص کسی چشمہ پر قبضہ کرے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا۔ وہ اسی کا قرار دے دیا جاتا تھا۔ آبادکاری کے لئے حضور نے مختلف افراد کو زمینیں عطا بھی فرمائی تھیں۔ چراگاہوں کے استعمال کی عام اجازت تھی چراگاہیں وقف عام تھیں۔

جنگ کی اجازت اور عورتیں آپ نے خاص حالات میں،

جنگ کی اجازت دی - جنگ کو صرف ان حالات میں جائز قرار دیا جبکہ کوئی اور چارہ کار نہ رہے اور اس کے لئے ایسے قوانین وضع کئے جس سے جنگ کی ہلاکتیں اور اس کے نقصانات کم ہو جائیں مثلاً عورتوں، بچوں، مزدوروں اور عبادت گزاروں پر تلوار نہ چلاؤ، اور مقتولوں کے اعضاء نہ کاٹو اور زخمیوں کی شکل نہ بگاڑو، صلح کے لیے تاکید فرمائی کہ جب دشمن صلح چاہے تو جنگ فوراً بند کر دو اور مخالف کو پناہ دو۔

سوالات

۱۔ اسلامی زندگی میں اسلام کی پوزیشن کیا ہے اور سرکارِ رسالت کا منصب کیا ہے؟

۲۔ حکیم ارسطو کا نظریۂ حکومت کیا تھا؟ اسے تفصیل سے بیان کیجئے۔

۳۔ حضور سرورِ کائنات کا نظریۂ حکومت کیا ہے؟ اور آپ نے اسے علم و عمل سے کس طرح پیش فرمایا؟

۴۔ مسلمانوں نے اسلامی نظریۂ حکومت کو کس طرح پلٹا؟

۵۔ حضرت ابوبکر کا طریق انتخاب کیا تھا - اس طریقِ انتخاب پر تبصرہ کیجئے۔

۶۔ قرآن حکیم نے عداوت کے تصور میں نظریہ حکومت کی

کیا توضیح فرمائی ہے؟

۷۔ سرکارِ رسالتؐ نے کن آیات قرآنیہ کے تحت اپنے بعد کے لئے اپنا جانشین مقرر فرمایا؟

۸۔ کیا رسول اللہؐ جمہوری بادشاہ تھے، ان کے جمہوری بادشاہ نہ ہونے کے کیا دلائل ہیں؟

۹۔ رسول اللہؐ نے اندرونی اور بیرونی خلفشار سے ملک کو کس طرح آزاد کیا اور امن کو کس طرح قائم کیا؟

۱۰۔ سرکارِ رسالتؐ نے کیا کیا اصلاحات نافذ فرمائیں۔

۱۱۔ سرکارِ رسالتؐ کا نظامِ تبلیغ کیا تھا؟

۱۲۔ سرکارِ رسالتؐ کے نظامِ سلطنت میں مختلف صیغوں کے انتظام کو بیان کیجئے۔

۱۳۔ عہدِ سرکارِ رسالتؐ میں جنگی قوانین کو بیان کیجئے۔